کون جیتا ہے کون ہارا ہے

فرحین اظفر

مکمل ناول

گرج چمک کے ساتھ بارش برس رہی تھی۔ بند کھڑکیوں پر گرے بھاری پردے شیشوں کے اس پار بجلی کی چمک اور کڑک روکنے میں ناکام تھے۔
کمرے کے سب سے قیمتی بڑے اور پر تعیش بیڈ روم سے ایک مرد اور عورت کے چلانے کی مدھم آوازیں آرہی تھیں۔
نچلی منزل پر واقع نسبتاً" چھوٹے کمرے میں اپنے کمبل میں دبکی لڑکی دھڑکتے دل کے ساتھ کانوں پر ہاتھ جما کر ان آوازوں کا خود تک پہنچنے کا راستہ بند کرنا چاہتی تھی۔
خوف سے اس کا دل بے قابو ہو کر باہر آنے کے لیے مچل رہا تھا۔ آنکھیں سختی سے میچی ہوئی تھیں۔ اتنی احتیاطی تدابیر کے بعد بھی ٹوٹے الفاظ اور بارش کی تڑتڑ اس کی سماعتوں میں چھید ڈال رہے تھے۔ وہ سراپا کپکپا رہی تھی اور سردی میں پسینہ پسینہ ہو رہی تھی۔
دفعتاً" کسی چھناکے کی آواز نے اس کے لرزہ براندام وجود کو ساکت کر دیا۔ اور صرف وہی نہیں۔۔۔ یوں لگتا تھا جیسے وقت 'ہوا' بارش گرجتی بجلی۔ سب ساکن ہو گیا تھا۔ صرف اس کا تنفس جاری تھا۔ اکھڑا اکھڑا۔ بے ترتیب۔
کتنے لمحے گزرے تھے۔ کوئی آواز نہیں تھی۔ بس ایک جامد خاموشی۔ اس نے ڈرتے ڈرتے کمبل سے سر نکالا۔
کمرے میں ٹیبل لیمپ کی دھندلی روشنی تھی۔ اس نے اسی زرد روشنی میں دائیں جانب نگاہ ڈالی۔ کمرے میں موجود دوسرے سنگل بیڈ پر اس سے قدرے بڑی دار بچہ گہری نیند میں تھا۔
چند لمحوں تک وہ صرف آنکھیں کمبل سے باہر نکالے یونہی پڑی رہی پھر کمبل ہٹا دیا۔ باہر خنکی تھی۔
اس کے سفید پیروں کی ننھی منی انگلیوں میں خون منجمد ہونے لگا۔ اس کا رخ اوپری منزل کی طرف تھا۔ جہاں سے کچھ دیر قبل آتی آوازیں معدوم ہو چکی تھیں۔ سیڑھیاں چڑھ کر سامنے ہی اس بیڈ روم کا دروازہ تھا۔ جہاں کچھ دیر قبل غدر مچی تھی۔ دروازہ مکمل طور پر بند نہیں تھا۔
اس نے ڈرتے ڈرتے بھیگی ہتھیلی ہینڈل پر جما کر باریک جھری سے اندر جھانکا اور سنہری بالوں کے لچھے سر جھٹک کر پیچھے کیے۔ اندر ہلکی روشنی تھی۔

جب مکمل اطمینان ہو گیا کہ اندر کوئی ذی نفس موجود نہیں۔ تب وہ دروازے کو بے آواز دھکیل کر اندر داخل ہوئی۔ چند قدم کے بعد ایک دل دہلا دینے والا منظر سامنے تھے۔

الماریاں کھلی پڑی تھیں اور یوں بے ترتیب تھیں گویا بری طرح کھسوٹا گیا ہو۔ تجوری بھی کھلی پڑی تھی اور زیورات کے ڈبے قالین پر بکھرے ہوئے تھے لیکن۔

وہ اس سب پر توجہ دینے کے قابل کہاں تھی۔

وہ زمین پر گری ہوئی عورت کو دیکھ رہی تھی۔ جو یوں گری تھی گویا بے ہوش پڑی ہو۔

اسی پل زور سے بجلی کڑکی اور کمرے کا منظر واضح ہوا۔ مگر فقط ایک لمحے کے لیے اور یہ ایک لمحہ اس قدر خاک اور سفاک تھا کہ اس کی ہولناکی نے اس کے ہوش و حواس کو نگل لیا۔

زمین پر گری ہوئی عورت کی پھٹی ہوئی آنکھوں کی پتلیاں ساکت تھیں۔ گلے سے گاڑھا سرخ خون ابل کر عورت کے کپڑوں اور قالین کو داغ دار کر رہا تھا۔ بے جان ہاتھ میں کرسٹل کا گلدان دبا تھا اور وجود بے حس و حرکت ہو چکا تھا۔

وہ وحشت زدہ نظروں سے چند لمحے چمکتی بجلی میں واضح ہو کر اندھیرے میں ڈوب جانے والے اس وجود کو دیکھ رہی جہاں ملگجی روشنی میں اب صرف ایک ہیولا سا دکھائی دے رہا تھا اور پھر۔

"ماما!"

اس کے گلے سے دل خراش چیخ نکلی اور وہ الٹے پیروں واپس بھاگی۔

چیخ اتنی دردناک اور بلند تھی کہ رات کے اس پہر اونگھتے بنگلے کے در و دیوار جاگ اٹھے۔ بدحواسی میں بھاگتے ہوئے سیڑھیوں کی ابتدا پر ہی اس کے پیروں میں گلابی میکسی نائٹی الجھ گئی اور وہ کسی گڑیا کی طرح لڑھکتی ہوئی پہلی سیڑھی سے آخری تک جا پہنچی۔

"مومی کیا ہوا۔ کیا ہوا مومی۔" کوئی بدحواسی سے اس پر جھکا چلا رہا تھا۔ اور وہ۔ وحشت زدہ نظریں ایک ٹک اسی پر جمائے اسے دیکھے چلی جا رہی تھی۔ وہ چیخنا چاہتی تھی۔ اپنے اندر کے خوف کو باہر نکالنا چاہتی تھی مگر۔ یوں لگتا تھا کسی نے اس کی ماں کی جگہ اس کا گلا کاٹ ڈالا ہو۔

وہ چاہنے کے باوجود ایک بھی لفظ منہ سے نہ نکال سکی۔

اس پر جھکا وجود اب اسے نوکرانی کے رحم و کرم پہ چھوڑ کر سیڑھیاں پھلانگتا اوپر کی طرف جا رہا تھا۔

وہ اسے بھی روکنا چاہتی تھی مگر۔

✲ ✲ ✲

وقفے وقفے سے بوندا باندی کا سلسلہ صبح سے جاری تھا۔ اس وقت رات کے تین بجے تھے۔ اس نے کمپیوٹر کی چمک دار اسکرین پر سے نظریں ہٹائیں تو ہلکے سے دکھن کے احساس نے پپوٹے بوجھل کر دیے۔

"اف!" ایک تھکن زدہ سانس خارج کر کے گردن کے پچھلے حصے کو اپنے ہاتھ سے سہلاتے ہوئے اس نے گردن کو چاروں جانب حرکت دی اور بائیں ہاتھ سے ٹیبل پر پڑا سیل اٹھایا۔

"مبین کیا اسائنمنٹ؟"

"اللہ کی بندی جواب تو دو۔"

"تب ٹیچر۔" مبین کا باکس بھرا پڑا تھا۔

وہ جانتی تھی۔ ڈھیروں پیغام اس کے منتظر ہوں گے مگر یہ کام اسے آج رات ہر حال میں مکمل کرنا ہی تھا۔ گہری سانس بھر کے اس نے تھکے تھکے انداز میں سیل واپس ڈال دیا۔ پھر کرسی دھکیل کر اٹھی۔ اس کا رخ اپنی ماں کے کمرے کی طرف تھا۔

حسب معمول وہ تہجد ادا کر رہی تھیں۔ وہ اس وقت تک وہیں کھڑی رہی جب تک انہوں نے سلام نہیں پھیرا۔

"ارے اب تک جاگ رہی ہو۔" وہ اسے دیکھ کر

مسکرائیں۔

"جی۔ چائے پینے جا رہی ہوں۔ آپ کے لیے بناؤں؟"

"نہیں، تہجد میں کافی ٹائم ہے۔ میں سو جاؤں گی اور تم بھی سو جاؤ جا کے۔ کوئی ضرورت نہیں ہے اس ٹائم چائے وائے پینے کی۔"

"میرا تھوڑا کام باقی ہے اور ویسے بھی نیند آنی ہوگی تو چائے پی کر بھی آ جائے گی ورنہ نہیں۔" وہ سنجیدگی سے کہہ کر پلٹنے لگی۔

"اچھا رکو۔ تم جا کر اپنا کام ختم کرو۔ میں چائے لاتی ہوں۔"

وہ نماز کی طرح بندھا ہوا دوپٹا کھولنے لگیں۔ اس نے ایک دو لمحے سوچا۔ پھر اثبات میں سر ہلا کر پلٹ گئی۔ اس کے چہرے کی سنجیدگی میں رتی برابر فرق نہ پڑا تھا۔ نعمانہ کے چہرے پر افسردگی چھا گئی۔

✲ ✲ ✲

رات دیر تک جاگنے کے باوجود صبح نہ صرف ٹائم پر آنکھ کھلی' بلکہ طبیعت میں کسلمندی بھی ندارد تھی۔ اس نے بطور خاص یہ بات نوٹ کی تھی کہ نیند کا دورانیہ کم سے کم ہوتا چلا جا رہا ہے۔ دیر تک کروٹیں بدلنے کے بعد کہیں جا کے بے خبری مہمان بنتی' ورنہ ماضی کے دریچوں سے جھانکتے مہمان چہرے کراہتے رہتے سو کبھی کبھی پلز کا سہارا بھی لینا پڑ جاتا۔

گزرے وقتوں سے جڑا ایک میگرین ہی تھا' جو مستقل مزاجی سے ساتھ نبھا رہا تھا۔ بس اسٹاپ پر سیاہ گاڑی کھڑی تھی۔

"ارے تم یہاں۔" وہ حیرت سے بولتی ہوئی فرنٹ سیٹ پر آ گئی۔

"میں نے سوچا' رات دیر تک جاگی ہو تو صبح لیٹ نہ ہو جاؤ۔"

"تم جانتے ہو میں لیٹ نہیں ہوتی کبھی بھی۔" وہ سامنے دیکھ رہی تھی۔

"ہوں۔" گاڑی سفر کرتی رہی۔ تھوڑی دیر خاموشی رہی پھر وہ اچانک بولا۔

"یہ بات مسکرا کر بھی بتائی جا سکتی ہے۔"

"کون سی بات۔" وہ چونک گئی۔

"یہی آفس سے لیٹ نہ ہونے والی۔" اس کے لبوں پر اب بھی مدھم مسکراہٹ تھی۔ وہ چند لمحے سنجیدگی سے اسے دیکھتی رہی۔ پھر رخ پھیر لیا۔

"مجھے بات بے بات مسکرانے کی عادت نہیں۔"

"میں جانتا ہوں زیادہ ہنسنے سے دل مردہ ہو جاتا ہے۔ مگر مسکرانے میں تو کوئی حرج نہیں۔" اس کی بات سن کر اس کا چہرہ اور بھی سپاٹ ہو گیا۔

"تم۔ بھلا جانتے ہی کیا ہو۔ کچھ بھی نہیں۔ ورنہ یہ بھی نہ کہتے کہ دل مردہ ہو جاتا ہے۔ تم جانتے ہی تو نہیں۔ میرا دل تو کب کا مردہ ہو چکا ہے۔"

باقی تمام راستہ اسے اپنی سوچوں سے الجھتا تھا۔

✲ ✲ ✲

آفس میں پورا دن بے حد مصروف گزرا۔ وہ دن کے اختتام تک خود کو بہت تھکا ماندہ محسوس کر رہی تھی۔

نمیر نے اس کے چہرے سے اس کی اعصابی اور جسمانی تھکن کا اندازہ کر لیا تھا۔ جب ہی واپسی پر اس کے گھر ڈراپ کرنے کی آفر اس نے اپنی ازلی سنجیدگی سے نہ صرف ہامی بھری بلکہ اس وقت بھی کچھ نہ بولی۔ جب گاڑی کو گھر کے بجائے سی ویو پر رکتے دیکھا۔

نمیر جانتا تھا۔ اس کی سنجیدہ مزاج دوست کو سمندر کا کنارہ اور شور مچاتی لہریں پسند ہیں مگر وہ وہاں تک پہنچ کر کھو کیوں جاتی تھی۔ لوگ تو پسندیدہ جگہوں پر جا کر تازہ دم ہوتے ہیں۔ پسند کے مناظر طبیعت میں شوخی بھر دیتے ہیں مگر ادھر حال مختلف تھا۔

وہ جتنے شوق سے وہاں جاتی۔ اتنا ہی وہاں سے واپسی پر نڈھال نظر آتی۔ بلکہ نمیر نے تو کئی بار اسے رنجیدگی میں ڈوبے ہوئے بھی دیکھا۔

جیسے کہ آج۔

ثمیر بغور اس کا چہرہ اور انداز کھوجتا رہا۔ اس نے راستے بھر کوئی بات نہیں کی مگر وہ ہمیشہ کی طرح اداس تھی۔

"کاش! تم کبھی مجھ پر بھروسا کر سکو۔" دل کی خواہش عجیب نہ تھی۔

☼ ☼ ☼

کراچی کا موسم بھی بہت ناقابل اعتبار ہو رہا تھا۔

پرسوں بوندا باندی ہوئی تھی اور آج بھی الگ الگ علاقوں میں بارش کا سلسلہ جاری تھا۔

خنک فضا کی خوش گواریت موسم پر طاری تھی۔

یہی اثر اس کے موڈ پر پڑا تھا۔ اسلام آباد سے کراچی کی خوشبودار فضاؤں میں قدم رکھتے ہی اس نے بوجھل دل کو ہلکا پھلکا محسوس کیا۔ ورنہ کراچی کی جانب اس کا سفر اسے ہمیشہ ہی اداس کرتا تھا۔

نہا دھو کر تازہ دم ہونے کے بعد اس نے اپنے لیے کافی منگوائی اور جس وقت وہ گرم گرم مزے دار کافی سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ کسی نے لاؤنج میں قدم رکھا۔

"ارے ثمیر تم۔ آؤ آؤ۔" وہ پرتپاک خیر مقدم کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔

"اسی طرح اچانک بغیر اطلاع کے۔" آنے والا اس سے بے تکلفی سے بغل گیر ہو گیا۔

"ہاں یار۔ بس کچھ ایمرجنسی تھی۔ کافی پیو گے۔" اب آداب میزبانی نبھا رہا تھا۔

ثمیر اور اس کی دوستی بہت پرانی نہیں مگر بہت گہری ضرور تھی۔ کچھ عرصہ پہلے وہ۔ ثمیر کے بنگلے کی انیکسی میں بطور پے انگ گیسٹ رہتا تھا۔ پھر اسلام آباد میں نوکری مل جانے کی وجہ سے وہاں چلا گیا۔ مگر ثمیر نے پھر دوستی یوں نبھائی کہ کسی اور کو انیکسی کرائے پر نہیں دی۔ وہ جب بھی کراچی آتا۔ صاف ستھری انیکسی اسے اپنی منتظر ملتی۔ کچھ اس کی نوکری کی نوعیت بھی ایسی تھی کہ اسلام آباد سے کراچی آنا جانا لگا ہی رہتا تھا۔

اور ستارہ سون ایکسی ہے۔"

"ویسی ہی ہے یار! اسے کیا ہونا ہے۔"

مسکراتے ہوئے ثمیر کے لب ایک فکرمندی کے عالم میں اچانک ہی سکڑ گئے تھے۔

☼ ☼ ☼

شاہ خاور اپنی تمام تر تلخیاں سمیٹ کر مغرب کی گود میں جا سویا تھا۔ دن بھر کی مصروفیات کو سوچتے ہوئے کھڑکی سے باہر مصروف شاہراہ پر بھاگتا ٹریفک خالی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

ڈائننگ ٹیبل پر پلیٹ میں ڈھک کر رکھے سینڈوچ ٹھنڈے ہو چکے تھے۔

"کیا ہوا تم نے سینڈوچ کھائے نہیں۔" نغمانہ کے پوچھنے پر وہ چونکی پھر ڈھکی ہوئی پلیٹ کو دیکھ کر نفی میں سر ہلا دیا۔

"آفس سے نکلتے وقت ہی لنچ کیا تھا۔ اب بھوک نہیں ہے۔"

نغمانہ سوچنے لگیں۔ اب اور کیا بات کریں۔

حقیقت یہ تھی کہ اس نے اپنے اور نغمانہ کے درمیان بہت سالوں پہلے حد اور تکلف نامی ایک لکیر کھینچ دی تھی۔ اور اتنے سالوں بعد بھی یہ لکیر عبور نہیں کر پائی تھیں۔

اتنے سالوں بعد بھی اور اتنا کچھ ہو جانے کے بعد بھی۔

بہت کچھ جھیلنے کے بعد اور بہت کچھ سہہ لینے کے بعد بھی۔

انہیں ایک دوسرے کے نزدیک آ جانا چاہیے تھا" پر ایسا ہوا نہیں۔ گزرتے وقت کے ساتھ نغمانہ نے اس فاصلے کو پاٹنے کی بے حد کوششیں کی تھیں مگر اس نے۔ ان کی سوتیلی بیٹی نے ان کی ہر کوشش پر بڑی بے رحمی سے پانی پھیرا تھا۔ اس وقت بھی پانچ منٹ ہی انہیں وہاں بیٹھے ہوئے گزرے تھے کہ وہ بول پڑی۔

"آپ کو کوئی کام ہے مجھ سے۔"

"نہیں تو بس۔" ان کی سمجھ میں نہیں آیا کہ جو بات وہ اس سے کرنے آئی تھیں۔ اسے شروع کہاں سے کریں۔

ثمیر سلطان نامی کولیگ کو وہ کافی عرصے سے اس کے ساتھ دیکھ رہی تھیں۔ وہ انہیں اچھا لگتا تھا اور یقیناً" ان کی بیٹی کو بھی۔ لیکن یہ پسندیدگی کس حد تک تھی اور آگے چل کر اس کے متعلق انجام تک پہنچنے کے کوئی چانسز تھے یا نہیں۔ وہ چاہ کر بھی ذکر چھیڑ نہ سکیں۔ سوتیلی ہی سہی لیکن ہر ماں کی طرح ان کے دل میں بیٹی کو اپنے گھر کا کر دینے کا ارمان بہر حال موجود تھا۔

"تو ٹھیک ہے۔ مجھے آفس کا کچھ کام کرنا ہے۔ دو تین گھنٹے تک کوئی ڈسٹرب نہ کرے۔" ان کے کشمکش میں مبتلا چہرے کو ذرا بھی خاطر میں نہ لاتے ہوئے وہ فیصلہ کن انداز میں کمپیوٹر کے سامنے جا بیٹھی۔

نغمانہ بے بسی سے اسے دیکھتی ہوئی وہاں سے اٹھ گئیں۔

☼ ☼ ☼

نغمانہ بختاور صرف نام کی بختاور نہ تھیں۔ نہ ان کی حیثیت ہمیشہ ایسی "معقول" رہی تھی۔ وہ اپنے آپ کو اپنے لیے اور خود سے جڑی ہستیوں کے لیے واقعی بختاور تصور کرتی تھیں۔ غیر معمولی حسن کی مالک تو بچپن سے ہی تھیں۔ جب ہی نچلے طبقے سے تعلق رکھنے کے باوجود ان کے لیے ایک کماتے پیتے شخص کا رشتہ اس وقت ہی آ گیا جب انہوں نے جوانی کی پہلی سیڑھی پر قدم رکھ کر اڑتے ہوئے روغن والے اپنے گھر کے در و دیوار کو اجنبیت بھری نظروں سے دیکھنا شروع ہی کیا تھا۔

کچھ اپنی ذات سے خود شناسی تھی اور کچھ ماں باپ اور خاندان والوں کے ستائشی جملے اور باتیں۔ وہ خود کو اس غریب گھرانے اور ماحول میں شروع سے ہی غیر آرام دہ اور غیر موزوں تصور کرنے لگی تھیں۔

اپنے باپ کی معمولی نوکری اور چھوٹے چار چار بھائیوں کی لائن ان کی آنکھوں میں بری طرح کھٹکنے

پیارے بچوں کے لئے

قصص الانبیاء

تمام انبیاء علیہ السلام کے بارے میں مشتمل

ایک ایسی خوبصورت کتاب جسے آپ

اپنے بچوں کو پڑھانا چاہیں گے۔

ہر کتاب کے ساتھ حضرت محمد ﷺ

کا شجرہ مفت حاصل کریں۔

قیمت -/300 روپے

بذریعہ ڈاک منگوانے پر ڈاک خرچ -/50 روپے

بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37 اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

گی۔ یہی وجہ تھی کہ عمر میں واضح فرق اور والدین کے دل سے رضامند نہ ہونے کے باوجود وہ سلیم اللہ سے عقد ثانی کے لیے ضد پر اڑ گئیں۔

سلیم اللہ ایک چھوٹا کاروباری تھا مگر ان کے ابا جی سے بہت بہتر تھا۔ نغمانہ کو دیکھتے ہی بقول خود اس کے' بری طرح جان پر مر مٹا تھا۔

نغمانہ خود بھی کچھ کم کافر ادا نہ تھیں۔ خاموشی سے ان سے میل ملاقات بڑھا کر ان کو اپنی نام نہاد محبتوں کا یقین کچھ اس طرح سے دلایا کہ سلیم اللہ نے تو ان کے ابا جی کی دہلیز ہی پکڑ لی۔

ماں باپ خوش نہ تھے۔ بھائی ناراض مگر نغمانہ کو چنداں پروا نہ تھی۔ ان کی نظروں کے آگے ان چند تحائف نے پردہ ڈال رکھا تھا جو انہوں نے وقتاً فوقتاً سلیم اللہ سے وصول کیے تھے۔

جوان ہوتی اولاد کی سرکشی ماں باپ کی جہاندیدہ نظروں سے بھلا کیسے چھپتی نتیجتاً دل پر پتھر رکھ کر پھول سی بیٹی کو پکی عمر کے مرد کے ساتھ بیاہ دیا۔

نغمانہ بختاور کے دل کی دنیا آباد ہو گئی۔

سال بھر بعد ہی گود میں اولاد نرینہ کی نعمت بھی آگئی۔ گویا زندگی مکمل۔ بختاور اپنے نام کی طرح سلیم اللہ کے لیے بختاور ثابت ہوئیں۔ سلیم اللہ کا کاروبار تیزی سے ترقی کرنے لگا۔

وہ اترا اترا جاتیں لیکن زندگی ہمیشہ پھولوں بھری گزرگاہ ثابت نہیں ہوتی۔ یہ کبھی کبھی کانٹوں کا بستر بھی بن جایا کرتی ہے۔ یہی ان کے ساتھ ہوا۔

تین سال کا عرصہ بے حد مختصر ٹھہرا اور کسی سبک خرام جھونکے کی مانند گزر گیا۔ پتا بھی نہیں چلا۔

ایک نئے کاروبار کے آغاز کے لیے سلیم اللہ کو رقم کی ضرورت تھی۔ نغمانہ تو تھیں ہی ان کی محبت میں پورپور غرق۔ فوراً" اپنے ابا اور سلیم اللہ کے بنوائے زیورات پیش کر دیے۔ مگر یہاں ان کے بخت نے یاوری نہ کی۔

لگایا گیا سارا پیسہ نہ صرف ڈوب گیا بلکہ پہلے کے کاروبار کو سنبھالا دینے کے لیے بے اندازہ قرضہ سر پر چڑھتا چلا گیا۔

آنے والے ماہ و سال میں ان کی جگہ وقت کے پہیے کے نیچے تھی۔

قرضہ اتارنے کے لیے چھوٹا لیکن آسائشوں سے بھرپور گھر گروی رکھنا پڑا۔ اور اس کے بعد۔ تنگ دستی اور مشکلات کا ایک طویل دور تھا۔ جس سے گزرتے نبرد آزما ہوتے کب سلیم اللہ۔ نغمانہ سے دور ہوتے چلے گئے۔

وہی نغمانہ جو انہیں اپنے دن دوگنی رات چوگنی ترقی کرتے کاروبار کے لیے مبارک باد دیتی تھیں۔ اب اپنی ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ لگنے لگیں۔

حالات بھی پلٹا کھاتے کھاتے ہی کھاتے ہیں۔

ایسے ہی نہیں کوئی راتوں رات آنکھ کا شہتیر بن جاتا۔

نغمانہ کو بھی اپنے ذرائع سے خبر مل گئی کہ حالات سے تنگ آکر سلیم اللہ نے بدنام محلے کی آوارہ گلیوں کو اپنا مسکن بنالیا ہے۔

انہوں نے اپنا دل تھام لیا۔

ابھی تک تو وہ حالات کو بگڑتا دیکھ رہی تھیں۔ اب زندگی بگڑنے کا آغاز تھا۔

گرتے پڑتے کاروبار سے ہونے والا معمولی منافع بھی گھر آنے کے بجائے کہیں اور جانے لگا۔ اور جب نغمانہ نے بازپرس کرنے کی کوشش کی تو بجائے سدھرنے کے سلیم اللہ الٹا ان ہی پر بگڑ گئے۔ ماضی کے حوالے سے ان پر الٹے سیدھے الزامات لگانے کے بعد ان سے شادی کو زندگی کی سب سے بڑی غلطی گردانا۔ اور بچے سمیت گھر سے نکال باہر کیا۔

پہیے کے نیچے نغمانہ کا وقت اوروں کی نسبت طویل ہوتا چلا گیا۔ وہ بری طرح پس کر رہ گئیں۔ چہرے کی شادابی اور آنکھوں کی چمک خواب و خیال ہو گئی۔

سالوں پر محیط عرصہ جو تنگی اور آزمائش میں گزارا تھا چھوڑ کر والدین کے پاس پلٹیں تو والد تو گزر ہی چکے تھے۔ والدہ کماؤ پوت بیٹوں کے آسرے پر تھیں۔ جنہوں نے نغمانہ سے کسی بھی قسم کے تعاون سے انکار کر دیا۔

وہ بھائی بڑے ہو کر کہیں نوکری پر لگ چکے تھے۔ بلکہ گھر بھی بسا چکے تھے۔ تیسرے کی جلد ہی شادی متوقع تھی۔ سب سے چھوٹا ابھی پڑھ رہا تھا۔

ایسا نہیں تھا کہ انہوں نے اس عرصے میں ماں باپ سے کوئی تعلق رکھا ہی نہ تھا۔ مگر پھر بھی اچھے وقتوں میں انہوں نے اپنے ماں باپ اور بھائیوں کو اپنی مالی آسودگی میں اس طرح حصہ دار نہ بنایا تھا جیسا بنانا چاہیے تھا۔ نتیجہ؟

آج وہ بالکل تہی داماں تھیں۔

روتی دھوتی یہ سوچ کر واپس گھر کو پلٹیں کہ سلیم اللہ سے رشتہ تو بہرحال قائم و دائم تھا۔ وہ ہر صورت انہیں منالیں گی۔ چاہے جو بھی ہو جائے۔

آخر شادی کے بعد اتنے ڈھیروں دن' مہینے' سال انہوں نے ایک دوسرے کی سنگت میں بہت خوشگوار گزارے تھے۔

مگر۔

وہاں تو منظر ہی اور تھا۔

سلیم اللہ کسی رات بالکل اچانک حرکت قلب بند ہو جانے سے خالق حقیقی سے جا ملے تھے اور اب ان کے گھر ان کے خوابوں کے گھر پر منہ بولے بیٹوں اور کسی اور قانونی بیوی کا قبضہ تھا۔

"میرے ابا کے پاس گروی تھا یہ مکان۔ میرے کو تو بہت بعد میں پتا چلا۔ جب پیسے مانگے تو بدلے میں مجھ سے بیاہ کر لیا۔"

ان کے پاس سننے کے لیے کیا کچھ نہ تھا۔ اور دیکھنے کے لیے کیا بچا تھا باقی۔

آتے وقت وہ اس گمان میں تھیں کہ ہر صورت ہاتھ پیر جوڑ کر اپنے مجازی خدا کو منا ہی لیں گی۔

واپسی پر وہ سوچ رہی تھیں کہ پیر بھی پکڑنے پڑے تو اپنے بھائیوں کو راضی کر لیں گی۔ بیٹا سہما سہما ساتھ ساتھ اس گھر سے اس گھر اور اس در سے اس در پھرتا رہا۔ اور ماں کی مٹی پلید دیکھتا رہا۔ اس بار ان کے ساتھ منت سماجت کرنے میں ان کی ماں بھی شامل تھیں۔ مستقل بہتے آنسوؤں کی روانی سے بڑے بھائیوں کے دل ذرا پگھلے اور وہ پھر سے وہیں جا پہنچیں' جہاں سے زندگی کے خوبصورت سفر کا آغاز کیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"امی! امی انڈا کھانا ہے۔ کتنے دن سے ناشتے میں انڈا نہیں کھایا۔" فاخر کتنی دیر سے بھوکا بیٹھا ان سے ایک ہی ضد کر رہا تھا۔ نغمانہ نے گہری سانس بھری۔

"بیٹا میں نے کہا تھا ماہی سے۔ وہ کہہ رہی ہیں' انڈے ختم ہو گئے ہیں۔"

"وہ جھوٹ بولتی ہیں۔ ختم نہیں ہوئے' انہوں نے بلی کے لیے رکھ لیے ہیں اٹھا کے۔ مجھے نہیں دے رہیں وہ۔ آپ دے دیں نا۔"

فاخر کی آواز اتنی بلند ضرور تھی کہ کچن میں کام کرتی ماہی کے کانوں تک جا پہنچی۔

تن فن کرتی کمرے کی دہلیز تک آ گئیں۔

"اے لڑکے اپنی زبان سنبھال۔ ہوش میں ہے کہ نہیں۔"

"خالہ! یہ کیسے بات کر رہی ہو بچے سے تم۔"

نغمانہ کی آواز میں ماضی کا طنطنہ نہیں بلکہ گھبراہٹ تھی۔

"اے لو میں نے کیا کہا ہے۔ جو کچھ کہا ہے اسی چھٹانک بھر کے لڑکے نے کہا ہے۔ تمہارے سامنے مجھے جھوٹا کہہ رہا ہے اور تم بیٹھی سن رہی ہو۔"

نغمانہ مزید اور کیا کہتیں وہ تو اس طرز تخاطب پر ہی حیران رہ گئیں۔ جو بھابیاں کل تک ان کے قدموں تلے پلکیں بچھانے کو تیار تھیں۔ آج آپ سے تم تک تو آ گئی تھیں۔ اب جانے کب یہ "تم" تو تک کا سفر طے کرتا۔ یقیناً بہت جلد یا شاید ابھی۔

سوچ تھی یا بچھو کا ڈنک۔ وہ اچھل کر بیٹھے سے کھڑی ہو گئیں۔

"اچھا اچھا بات کو بڑھاؤ نہیں۔ تم جاؤ میں اسے سمجھاتی ہوں۔"

اپنے تئیں انہوں نے بات ختم کرنے کی کوشش کی تھی۔

"ارے لو بات کو میں بڑھا رہی ہوں۔"
آگے بہت طویل فضیحتہ تھا۔ جو ان کی بھاوج کے ہاتھوں تشکیل دیا گیا۔ اور جس میں چھوٹی بھابھی اور دونوں بھائیوں نے صبح سویرے شوق سے اپنے کردار نبھائے۔
انڈے سے ناشتے کی ضد کرنے والا لاڈلا بیٹا اور وہ خود بھی اس کے ساتھ بھوکی ہی رہ گئیں۔ وہ دن "وہ صبح" وہ وقت اور اس کی کڑواہٹ۔
انہیں تو لگا تھا وہ زندگی بھر وہ ذلت بھرا سے بھول نہیں پائیں گی۔ مگر بھلا ہو ان خونی رشتوں کا۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے ایسے ایسے مناظر دیکھنے کو ملے اور ایسی ایسی ذلت کے طوق گلے میں ڈالے کہ پہلی پہلی بے عزتی اور بھرم ٹوٹ جانے کے اول اول وقت یاد کرنے سے بھی یادداشت میں آنے نہ پائے۔ اور وہ روز صبح خود کو رضائے الٰہی جان کر کسی نئی زیادتی کے لیے تیار کر دیتیں۔
اور یہ وہ دن تھے۔ جب وہ سنجیدگی سے خودکشی کے بارے میں سوچنے لگی تھیں۔
انہیں بھولے سے بھی یاد نہ تھا کہ کبھی ان کے نام کے ساتھ لگا ہوا "بختاور" انہیں کتنا عزیز تھا۔ بلکہ انہیں تو شاید اپنا پورا نام یاد بھی نہ تھا۔
یہاں کسی کے لیے وہ نغمانہ منحوس تھیں یا کم بخت۔
اور ایک بار پھر قدرت کو ان پر رحم آیا۔ قسمت نے جوش مارا۔ اور کسی جاننے والی کے توسط سے ان کے لیے مقیم زبیری کا پیغام آگیا۔

☼ ☼ ☼

"میں اپنے بیٹے کے مستقبل کے تحفظ کے لیے یہ شادی کر رہی ہوں۔ اس لیے میری پہلی اور آخری شرط یہ ہے کہ میرا بیٹا میرے ساتھ رہے گا۔"
انہوں نے رشتہ والی سے سارے معاملات خود ہی طے کیے۔ اور سوچنے سمجھنے کے لیے اتنا ہی وقت لیا۔ جتنا زبیری صاحب نے ان کی بات سننے اور اس کا جواب دینے میں لگایا۔
انہیں کوئی اعتراض نہ تھا۔ انہیں بھی نہیں۔
اس بار گھر میں سے کوئی ان کے معاملے میں نہ بولا۔ سب ہی جانتے تھے۔ اب جو ہونے جا رہا تھا۔ اسی میں سب کی بھلائی تھی۔ بھابھیاں البتہ کچھ جلی جلی سی تھیں۔
بقول ان کے نغمانہ نے ایک بار پھر میدان مار لیا تھا۔
مقیم زبیری کے حالات نغمانہ کے پہلے شوہر کے مقابلے میں کہیں بہتر تھے۔ اور بہت ارمانوں سے نہیں مگر بہرحال عزت و احترام سے انہیں بیاہ کر لے گئے۔
ان کی پہلی بیوی سے دو بیٹیاں تھیں۔ بڑی صندل اور چھوٹی قندیل۔ لڑکیوں نے سوتیلی ماں کو آسانی سے قبول بھی کیا اور ایڈجسٹ بھی۔ نغمانہ بھی دل کی بری تو بہرحال نہ تھیں۔
انہوں نے لڑکیوں سے سگی ماؤں جیسا التفات نہیں برتا تو سوتیلیوں والا سلوک بھی نہ کیا۔ وہ بیاہ کر اپنے نئے گھر میں آئیں۔ تو مالکانہ حقوق کے احساس نے انہیں پہلے سے بڑھ کر تقویت بخشی۔ اور وہ دل و جان سے گھر اور گھر کے انتظامات سنبھالنے لگیں۔

☼ ☼ ☼

اکلوتا بیٹا فاخر جو ان کی تمام امیدوں اور تمناؤں کا مرکز تھا۔ پہلے سے زیادہ توجہ پانے لگا۔ مقیم زبیری نے نغمانہ بختاور سے شادی کی بھی اس لیے تھی کیونکہ انہیں اولاد نرینہ کی خواہش تھی۔
ان کی خواہش پوری کرنے کی خوشی میں نغمانہ بھی ان کی توجہ اور محبت کی حقدار ٹھہریں۔ نغمانہ کی آنکھوں کا تارا تو تھا ہی فاخر۔ یوں دونوں بیٹیاں صندل اور قندیل کب، کہاں اور کس طرح نظرانداز ہونے لگیں۔ نغمانہ اگر بھانپ بھی گئی تھیں تو خاموش ہی رہیں۔ کیونکہ انہیں نئی آنچل اپنے سالوں سے ذرا ذرا سی چیزوں کو ترستے بیٹے کے ارمان پورے کرنے کا

بھرپور جوش چڑھا تھا۔ رہ گئے مقیم زبیری تو وہ سیاہ و سفید کا مالک نغمانہ کو بنا کر خود اپنی نوکری میں گم ہو گئے۔

☼ ☼ ☼

"سنیے میں تو سمجھتی تھی کہ آپ کی پہلی بیگم کے پاس کافی زیورات اور جائیداد وغیرہ ہوگی مگر یہاں تو کچھ بھی نہیں۔"
مقیم زبیری سیدھے سادے نوکری پیشہ آدمی تھے۔ نوکری بے شک بہت ٹھاٹھ والی سہی۔ مگر لینڈ لارڈ تو وہ بھی نہ تھے۔ اور یہ ان کی سادہ فطرت تھی کہ آفس کے معاملات کو سادگی اور خوش اسلوبی سے حل کرنے والے مقیم زبیری نغمانہ کے لہجے میں چھپے تاثرات کو پہچان نہ سکے۔
نہ شک کو، نہ ناگواری کو، نہ مایوسی کو۔
"حالانکہ آپ کی تنخواہ تو اتنی کم گزری نہیں۔"
"ہاں لیکن اخراجات بھی تو دیکھو۔ اور جو تھوڑے بہت زیور وغیرہ تھے بھی تو وہ عافیہ اپنی زندگی میں ہی بچیوں کے نام کر کے لاکر میں رکھوا گئی۔" اصل انکشافات تو اب ہو رہے تھے۔ مقیم زبیری کے پاس سیونگ کے نام پر چند پرائز بانڈز تھے اور بس۔ ان کی خوش حالی صرف اور صرف حال پر جی تھی۔
"عجیب آدمی ہے۔ پیسہ محفوظ کرنے کا کوئی خیال ہی نہیں۔"
"گھر کے اخراجات بھی تو آسمان کو چھو رہے ہیں ابھی۔" فاخر اب اتنا چھوٹا بچہ نہیں رہا تھا۔ انہوں نے چونک کر اسے دیکھا۔ اور پھر۔ ان کا ذہن تیزی سے چلنے لگا۔
وہ پچھلی زندگی بھگت کے آئی تھیں۔ انہوں نے عروج و زوال دونوں سورج ڈوبتے ابھرتے دیکھے تھے اور وہ نہیں چاہتی تھیں کہ زندگی انہیں ایک بار پھر انہیں اس طرح پٹختی دے۔
اس بار انہیں بہت سوچ سمجھ کر "سوچی سمجھی حکمت عملی" کے تحت چلنا تھا۔ گھر کے نظام میں بہت تیزی سے ایسی تبدیلیاں آئیں کہ ان کی بیٹیوں کے منہ کھل گئے۔ اور اس کی ایک وجہ شاید یہی تھی کہ سگے باپ کی آنکھیں گھر کی طرف سے مکمل طور پر بند ہو چکی تھیں۔
بہت بچپن سے۔ دونوں بہنوں کے الگ الگ چھوٹے سے بیڈروم سیٹ تھے۔
دو بیڈروم مطلب۔ ڈبل خرچا۔ دو اے سی۔ دو پنکھے۔ دو لائٹیں اور تو اور مستقبل قریب میں شاید دو دو کمپیوٹر بھی۔
"ابھی یہ ان کی عمر سے بہت زیادہ ہے۔ صندل میٹرک میں ہے اور یہ عمر الگ بیڈروم اور الگ کمپیوٹر جیسی سہولت کے لیے بہت خطرناک ہے۔ کچا ذہن ہے۔ اور پتہ نہیں کیا کیا۔ بیڈروم ایک ہو گیا۔ اے سی بھی ایک ہو گیا۔ ایک ڈبل بیڈ ایک وارڈروب ایک رائٹنگ ٹیبل۔ دوسرے کا سارا سامان خود بخود فاخر کے قبضے میں چلا گیا۔
قندیل نے اتنا نوٹ نہیں کیا۔ وہ چھوٹی تھی۔ مگر صندل بڑی تھی۔ اس کا بیڈروم بھی بڑا تھا اور اصل میں وہی اس کے تصرف سے چھینا گیا تھا۔ سو اس کا کڑھنا بنتا تھا۔
کچن ڈائننگ ٹیبل کے صاف ستھرے کور کے اوپر بچھے پلاسٹک کے نیچے راتوں رات نغمانہ کے ہاتھ سے لکھا ایک ٹائم ٹیبل اور کھانے کا چارٹ نمودار ہوا۔
"آئندہ سے کھانے اس شیڈول کے مطابق پکیں گے۔" انہوں نے فیصلہ صادر کیا۔ ویسا ہی شیڈول یا چارٹ یا جو بھی کہہ لیں۔ کچن کے داخلی دروازے پر بھی چسپاں تھا۔
یہاں بھی صندل باشعور تھی۔ اس نے بطور خاص نوٹ کیا کہ چکن اور فاسٹ فوڈ کے علاوہ گوشت اور چائنیز آئٹمز کی اس ٹائم ٹیبل میں شدید کمی تھی۔ ہاں سبزیاں اور طرح طرح کی چٹ پٹی بھنی مسالے دار دالیں ضرور تھیں۔
مقیم زبیری پہلے تو دیکھ کر ہنس پڑے۔ بعد میں جب نغمانہ نے انہیں اپنے فیصلے کے دوررس نتائج سے آگاہ کیا تو خوب سراہا۔

منتل اور قندیل کو دور دراز کے مہنگے ترین اسکول سے اٹھا کر نزدیکی اسکول میں ڈال دیا گیا۔ وین کا خرچا بھی بچا۔ ایک ذمہ دار ماں کی ذمہ داریاں پوری کرنے کے واسطے وہ خود اسکول جا کر ٹیچنگ اسٹاف اور بلڈنگ کے علاوہ پڑھائی کے طریقوں، کمپیوٹر لیب اور لائبریری تک کا وزٹ کر آئیں۔

"سب اچھا ہے۔ اطمینان بخش ہے۔ کم خرچ ہے۔" کی رپورٹ میاں کے سامنے پیش کر کے سرخرو ہو گئیں۔

منتل عرف منی اور قندیل عرف کینڈی کے اوپر سال کے بیچ میں اسکول کی تبدیلی کیا رنگ چھوڑے گی یا جمائے گی۔ اس کی فکر کرنے کی انہیں ضرورت نہ تھی۔ مگر۔

منتل کو بہت ضرورت محسوس ہونے لگی۔

گھر کے انتظام کو گہری نگاہوں سے دیکھنے لگی اور تب۔ یکے بعد دیگرے ہونے والے انکشافات نے نہ صرف اسے حیرت زدہ کیا۔ بلکہ ان کی تکلیف نے اسے خود بخود نغمانہ سے دور بھی کر دیا۔

فاخر کا داخلہ شہر کے سب سے مہنگے اور بہترین اسکول میں کروایا گیا۔ اور ایک انتہائی مہنگا ٹیوٹر بھی رکھا گیا۔ جبکہ ان دونوں بہنوں کو مقیم زبیری خود ہی پڑھاتے تھے۔

"بیٹا! وہ آپ دونوں سے بڑے ہیں ناں۔ جب آپ کالج لیول پر آؤ گی تو آپ کو بھی ٹیوٹر رکھ دیں گے۔"

گھر میں پکا ہر کھانا وقت پر پیٹ بھر کر بنا ضد کیے کھانے کی دونوں بہنوں کی ذمہ داری تھی۔ جسے انہیں ہر حال میں پورا کرنا تھا۔ ورنہ مقیم زبیری ناراض ہو جاتے۔ جبکہ فاخر ایسی کسی بھی ذمہ داری سے مبرا تھا۔

اس کا جیب خرچ دونوں بہنوں سے زیادہ تھا۔ اس کے کمرے میں نیو برانڈ کمپیوٹر، انٹرنیٹ کنکشن اور ایک زبردست قسم کا ایل سی ڈی مہیا کیا گیا۔ منتل اور قندیل کے کمرے میں سیکنڈ ہینڈ کمپیوٹر تو تھا۔ مگر انٹر نیٹ نہیں۔ جانے کس احتیاط کے پیش نظر اس نے وقت سے بہت پہلے اور بنا ضرورت کے فاخر کے پاس قیمتی موبائل دیکھا۔

"بیٹا وہ لڑکا ہے۔ اس کی سو ضرورتیں ہوتی ہیں۔ وہ کمبائن اسٹڈی بھی تو کرتا ہے ناں۔"

مقیم زبیری جو اب فاخر کے بھی ڈیڈی تھے۔ اس کے ہر پر زور احتجاج کو ٹھنڈا کرنے کے لیے ہر موقع پر پیش پیش رہتے۔

یہ جانے بنا کہ وہ پرائی اولاد کو سگی بنانے کے چکر میں اپنے خون سے لاپروائی برتتے انہیں خود سے کتنا دور کرتے چلے جا رہے ہیں۔ جیسے جیسے قندیل سمجھ دار ہوتی گئی۔ وہ اور منتل ماں باپ سے دور دلوں میں بچی کدورت کی پرورش کرتی اپنے خول میں سمٹتی ایک دوسرے کے نزدیک آتی چلی گئیں۔ اور۔

ایک وقت ایسا آیا۔ کہ۔

کہ انہیں ایک دوجے کے علاوہ کسی تیسرے جذباتی سہارے کی ضرورت نہ رہی۔ ہاں لیکن مالی سہارے کے لیے اب وہ باپ کے بجائے ماں کی محتاج تھیں۔

اور ماں تھی تو۔ مگر سوتیلی۔

☼ ☼ ☼

ناگہانی اگر بتا کر آئے تو ناگہانی کہلائے کیوں۔ یہی ان کے گھرانے کے ساتھ ہوا۔

فاخر جو سگے باپ سے بڑھ کر محبت کرنے والے سوتیلے باپ اور سگی ماں کی محبتوں اور توجہ کے سائے میں پلا بڑھا۔ بجائے ان کی امیدوں پر پورا اترنے کے دونوں کے ہی اس کے مستقبل کے بارے میں دیکھے گئے خوابوں کو ایک ایک کر کے چکنا چور کرتا چلا گیا۔

وقت بے وقت اس کی خالی ہتھیلی ماں کے آگے پھیلتی اور وہ بہت چپکے سے اسے بھر دیتیں۔ یہ اندازہ نہیں تھا کہ وہ اس مٹھی میں نوٹ نہیں ان دیکھے اژدھے پال رہی ہیں۔ جو آنے والے وقتوں میں ان کے خوابوں اور خوشیوں کو اس طرح ڈسیں گے کہ وہ پانی تک مانگنے کے قابل نہیں رہیں گی۔

سالہا سال کی بنائی گئی عزت اور آفس کی ریپوٹیشن اس دن خاک میں ملی جب مقیم زبیری پر ان کے کسی بدخواہ افسر نے غبن کا الزام لگایا۔

وہ بے گناہ تھے۔ ان کے ہاتھ صاف تھے۔ اور وہ خود کو ثابت بھی کر سکتے تھے۔ مگر اس کے لیے انہیں کمپنی کی طرف سے خود پر دائر کردہ کیس لڑنا تھا۔

وکیل کیا گیا۔ کیس بھی کافی دن چلا۔ مگر خاطر خواہ کامیابی نہ مل سکی۔ تاریخوں پر تاریخیں ملتی رہیں۔ یہاں تک کہ وہ معمولی جمع جتھا جس کے لیے نغمانہ بختاور نے ان کی بیٹیوں سے زندگی کی ہر سہولت اور آسائش چھیننے کی مکمل کوشش کی تھی۔ ایک دن اختتام پذیر ہو گیا۔

بڑی مشکل اور دقتوں کے بعد مقیم زبیری کیس تو جیت گئے۔ سزا سے بچ گئے مگر بے روزگاری کے عفریت سے نہ بچ سکے۔

ایسے میں ان کی امیدوں کا واحد مرکز اکلوتا بیٹا تھا بھی۔ تو اس میں غلط کیا تھا۔

مگر مصیبت یہ تھی کہ بیٹا۔ سخت نااہل تھا۔

چار سالوں بعد ریپیٹ کر کے بھی گریجویشن نہ کر سکنے کے بعد تعلیم ادھوری چھوڑ چکا تھا۔ آمدنی کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ اور اس کی وہی شاہ خرچیاں تھیں۔

"ڈیڈی! میرے خیال میں ہمیں یہ گھر سیل کر دینا چاہیے۔" زندگی میں پہلی بار منتل اس گھر کی بڑی بیٹی کسی معاملے میں بولی تھی۔

"تو یہ کیا بات کر دی تم نے۔" نغمانہ فوراً ہی بھڑک اٹھیں۔

"ایک منٹ۔"

زندگی میں پہلی بار اس کے سامنے مقیم زبیری نے انہیں ٹوک کر خاموش کیا۔

"ڈیڈی اس گھر میں بہت سی چیزیں ہماری ضرورت سے زیادہ ہیں۔ گھر سمیت اس سب کو سیل کر دیں۔ ایکسٹرا فرنیچر، ڈیپ فریزر، چار چار اے سی، دو کمپیوٹرز، اور ہاں۔ دو میں سے کوئی ایک گاڑی بھی جو زیادہ مہنگی بک سکے۔"

تھوک نگل کر وہ جو بولنا شروع ہوئی تو بولتی چلی گئی۔

نغمانہ نے زندگی میں پہلی بار اسے نفرت انگیز انداز میں گھورا تھا۔ مگر وہ نظریں چرا گئی۔

"تھوڑے سستے علاقے میں ایک چھوٹا فلیٹ لے کر رہ لیں گے۔ جس میں ہم لوگوں کے پاس ایک ایک بیڈ روم ہو بس۔ ڈرائنگ ڈائننگ نہ بھی ہو تو کوئی بات نہیں۔ یہ اتنا بڑا گھر لاکھوں روپے کا بکے گا۔ یہ سب سہولت کی چیزیں۔ انہیں سیل کر کے ملنے والی رقم کو بینک میں ڈال دیں گے تو آمدنی کا مستقل ذریعہ تو ہو گا۔ آپ کے سر سے بھی ٹینشن ہٹے گی تو آپ بھی تھوڑا ریلیکس ہو جائیں گے۔"

اس کی نظریں باپ کے کمزور، زرد چہرے پر پڑتیں تو دل سکڑ سکڑ جاتا۔ نغمانہ کے تاثرات دیکھنے کی اس میں ہمت نہیں تھی۔

بگڑتے مالی حالات سے انہیں کوئی سروکار نہ تھا۔ انہیں صرف اس طرز زندگی کے چھن جانے کا خوف تھا۔ اس سے پہلے کہ منتل کوئی اور خوفناک تجویز پیش کرتی۔ وہ جھٹکے سے اٹھیں۔ منتل اور مقیم زبیری نے بیک وقت انہیں دیکھا۔ منتل کی بات ادھوری رہ گئی تھی۔

"میں۔ میں آپ کے لیے کچھ کھانے کو لاتی ہوں۔"

وہ بمشکل مسکرائی تھیں۔ منتل نے اسی طرح چور نظروں سے انہیں کمرے سے نکلتے دیکھا۔ پھر ڈیڈی کے قدموں میں جا بیٹھی۔

"ڈیڈی۔ ہم ہر چیز کے بغیر رہ سکتے ہیں، ہر سہولت کے بغیر۔ یہاں تک بغیر کھائے پیے بھی۔ مگر ہم آپ کے بنا نہیں جی سکتے ڈیڈی۔ اگر آپ کو کچھ ہو گیا تو میں اور کینڈی۔ ہم مر جائیں گے ڈیڈی۔"

وہ بالکل اچانک بلک اٹھی۔ اور اسے خود میں سموتے ہوئے مقیم زبیری نے سوچا۔

"میری بیٹیاں اتنی بھی بے خبر نہیں جتنا میں نے سمجھا تھا۔ اور بے حس تو خیر بالکل نہیں۔"

کیس کی تاریخوں کے دوران ہی ان کو ہلکا ہلکا انجائنا

چین شروع ہوا تھا۔ جو انہیں مستقل دل کے عارضے میں مبتلا کرچکا تھا۔ اور وہ یہ سمجھتے تھے کہ اس بارے میں صندل اور قندیل انجان بھی ہیں۔ اور انہیں ان کے مستقل کمزور پڑتے وجود سے کوئی دلچسپی بھی نہیں۔

☼ ☼ ☼

متقیم زبیری نے صندل کی بات مان لی۔
وہ لوگ نچلے درجے کے علاقے اور چھوٹے سے فلیٹ میں شفٹ ہوگئے۔ گاڑیاں بک گئیں اور اے سی ایک بھی نہیں۔ جنریٹر بھی بک گیا۔ انٹرنیٹ اور پی ٹی سی ایل کنکشن تو ختم ہو ہی گئے تھے۔ گھر میں صرف تین بیڈ روم تھے۔ جو افراد خانہ میں تقسیم ہوگئے۔ اور ایک ننھا سا کامن روم کہ مل بیٹھنے کے لیے۔
نغمانہ کو یوں لگتا جیسے یہ سب صندل نے انہیں نیچا دکھانے کے لیے کیا ہے۔ زندگی میں دوسری بار تنزلی کا یہ سفر ان کی برداشت سے باہر تھا۔ وہ بے حد چڑچڑی اور بدمزاج ہوگئیں۔ اور ظاہر ہے ان کا بیٹا بھی۔
متقیم زبیری کی توقعات پر تو خیر وہ پورا اترا ہی نہ تھا۔ حالات سنورے تو نہ تھے۔ مگر قدرے سنبھل ضرور گئے تھے۔ ایسے میں اس سے نوکری کی توقع کرنا بے جا نہ تھا۔ مگر اس کے تو خواب ہی اور تھے۔ اوقات اور پہنچ سے باہر بہت اونچے۔
"میں باہر جانا چاہتا ہوں۔"
ایک دن اس نے بلی تھیلے سے باہر نکال ہی دی۔ اور متقیم کو یوں لگا۔ اس بلی نے باہر نکلتے ہی اپنے نوکیلے پنجوں سے ان پر حملہ کردیا ہے۔
"سنی اور کینڈی کے لیے جو زیور لاکر میں پڑا ہے۔ وہ اگر بک جائے تو میرے باہر جانے کا بندوبست ہوجائے گا۔"
اب بکنے کے لیے اور بچا ہی کیا تھا۔ شاید صرف عزت اور وہ زیور۔
جو نغمانہ نے کبھی دیکھا نہ تھا اور جس کے بارے میں ان کا خیال تھا کہ وہ اتنا بھاری ضرور ہوگا کہ ان کی نگاہیں خیرہ کردے۔

مگر قسمت نے یہاں بھی ان سے بے وفائی کردی۔
فاخر کے سر پر باہر جانے کا بھوت سوار تھا اور نغمانہ کے سر پر اسے باہر بھجوانے کا۔ یوں بھی وہ ان سے ہر جائز ناجائز منوانے کا عادی ہوچکا تھا اور وہ ماننے کی عادی ہوچکی تھیں۔
ہر روز نئے طریقے سے متقیم زبیری کی عدالت میں اس کا کیس پیش کیا جاتا۔
"ارے باہر جاکے پیسے بھیجے گا تو ہم پھر سے زیور بنوالیں گے۔ آخر اس میں حرج ہی کیا ہے۔" نغمانہ یوں بولتے بولتے تڑپ جاتیں جیسے زیور نہ ملا تو فاخر کا خود ان کا دم تو نکل ہی جائے گا۔ کافی رو دھو کر اور درد سری کے بعد وعدے اور فاخر کی دلی مراد بر آئی۔
زیور نکلوائے گئے اور جب نغمانہ نے ان کا دیدار کیا تو کون کون سے خواب نہیں تھے جو چھناکے سے ٹوٹ گئے۔
"یہ۔ یہ؟ بس یہ۔ یہ ہیں وہ چھلے جن کے لیے تمہارا باپ مجھے دے رہا تھا۔"
بے حد تضحیک آمیز انداز میں انہوں نے زیور کے ڈبے صندل کے سامنے پھینک دیے۔ فاخر الگ ایک طرف تپا تپا بیٹھا تھا۔
متقیم کے کانوں میں بھی ان کے ذلت آمیز الفاظ پڑ چکے تھے۔ اسی رات سوتے میں ان کی سانس اکھڑ گئی۔ فاخر پڑا سوتا رہا اور نغمانہ کے بے حد بری طرح دروازہ پیٹ ڈالنے پر بھی اس کے کمرے کا دروازہ نہ کھلا۔ تھک ہار کر صندل نے ایمبولینس بلائی اور نغمانہ اور وہ ڈیڈی کو لے کر اسپتال بھاگیں۔
انجائنا کا اٹیک تھا۔ بہت معمولی۔ مگر تھا تو دل کا دورہ۔
ڈاکٹرز نے انتہائی نگہداشت کے یونٹ میں داخل کیا۔ چوبیس گھنٹے کشمکش میں گزرنے کے بعد اگلی رات تین بجے ڈاکٹروں نے ان کی حالت خطرے سے باہر بتائی تو وہ بعد اصرار نغمانہ کو لے کر گھر آگئی۔
"آپی۔ آپی۔ وہ فاخر بھائی۔" کینڈی نغمانہ کی طرف دیکھ کر پھر جھجکتے ہوئے بولی۔

"وہ ابھی چوروں کی طرح چھپ کر ڈیڈی کے کمرے میں گئے تھے آپ لوگوں کے آنے سے پہلے میں نے خود دیکھا۔" قندیل کی بات اس کے پیروں تلے سے زمین کھینچنے کے لیے کافی تھی۔
وہ بے قدموں ڈیڈی کے کمرے میں داخل ہوئی۔ توقع کے عین مطابق وہ الماری کھولے اندر گھسا ہوا تھا۔
"فاخر!" اس کی آواز اگر سرگوشی نما ہوتی تب بھی وہ اچھل پڑتا۔ مگر اس وقت تو اس نے بہت کڑک کر پکارا تھا۔ زیورات کے ڈبے اس کے ہاتھ سے چھوٹ گرے۔
"کیا کررہے ہو۔ تم۔ چوری؟" بھائی اور آپ جناب کا تکلف وہ سالوں پہلے چھوڑ چکی تھی۔
"نہ۔ نہیں نہیں چوری کیوں؟" وہ بوکھلایا پھر سنبھل گیا۔
"امی نے فون کیا تھا کہ ڈیڈی کے لیے اسپتال میں پیسے چاہئیں۔ چارجز پے کرنے ہیں۔ تو انہوں نے یہ منگوائے ہیں۔"
بے ربط انداز میں بولتے ہوئے اس نے بیٹھ کر ڈبے سمیٹے اور ڈبے تھے ہی کتنے۔ وہ ان دونوں کے سیٹ تھے اور ایک چار چوڑیوں والا گول ڈیزائن دار کیس۔
"امی میرے ساتھ آئی ہیں۔ باہر بیٹھی ہیں اور انہوں نے کوئی فون نہیں کیا تھا۔ صاف صاف بتاؤ کہاں لے جارہے تھے انہیں۔" طیش سے بولتی ہوئی وہ ذرا آگے بڑھی۔
وہ بجلی کی سی تیزی سے آگے بڑھا اور اسے ایک زوردار دھکا دیا۔
"ہاں کررہا ہوں چوری کیا کرلوگی پھر؟"
"اف!" وہ اس حملے کے لیے کب تیار تھی۔ ڈیڈی کے لکڑی کے بیڈ کا کونا اس کے پیٹ پر لگا۔ وہ تڑپ گئی۔ پھر بھی آواز نہ نکالی۔
"بالاخر فاخر کو ریس دیکھیں وہ ہمارے۔ آؤ!"
درد کی شدید لہر نے اسے بات مکمل نہیں کرنے دی۔ مگر مقصد ضرور مکمل ہوگیا۔
باہر سے نغمانہ، قندیل اور فاخر کے جھگڑنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ سچ اس بار بھی فاخر کا نصیب تھی اور نغمانہ بختاور اپنے نصیب کی سیاہی کو روتی رہ گئیں۔

☼ ☼ ☼

فاخر باہر گیا تو ایسا گیا کہ واپس ہی نہ پلٹا اور اسی کی طوطا چشمی ڈیڈی کی جان لینے کا سبب بنی۔
ساری زندگی کسی اور کے خون پر اپنی خون پسینے کی کمائی لٹائی اور آخر میں جب ان کے پھل کھانے کا وقت آیا تو تمام زندگی کی جمع پونجی بھی لوٹ کر چلتا بنا۔
متقیم زبیری کی موت اور فاخر کی حرام خوری نغمانہ کو بری طرح توڑ گئی۔ مگر اب وقت گزر چکا تھا۔ وہ ٹوٹ بھی گئی تھیں۔ بکھر بھی گئی تھیں۔ اور بیوگی کی چادر میں وہ جوان ہوتی بیٹیوں کی ذمہ داری دیکھ کر خود کو تنہا پاکر سہم بھی گئی تھیں۔
وقت ایک بار پھر الٹی چال چل رہا تھا۔
وہ تنہا تھیں۔ اور کوئی دلجوئی کرنے والا نہ تھا۔ وہ بیٹیوں کے قریب آنا چاہتی تھیں۔ مگر اب بیٹیاں ان سے مکمل طور پر متنفر ہوچکی تھیں۔ وہ پہلے بھی ایک دوسرے کا سہارا تھیں اور ایک دوسرے کے لیے کافی تھیں اور نغمانہ ایک بار پھر بڑی بڑی راتیں جاگ کر گزارتی بڑے دنوں کا انتظار کرنے لگیں۔

☼ ☼ ☼

زندگی کے اس سفر میں بہت کچھ کھونے والی وہ اکیلی نہیں تھیں۔ صندل نے بھی بہت قیمتی انمول اور بیش قیمت سہارے وقت کی دھول میں گم کردیے تھے۔
جتنی اکیلی وہ اندر سے تھیں، اتنی نہیں تو اس سے ذرا کم ہی۔ مگر تنہا تو صندل بھی تھی۔ تب ہی۔ تیز آواز میں الارم بج اٹھا تھا۔ اور بجتا ہی چلا جارہا تھا۔
"کمال ہے۔ آج صندل اٹھی نہیں۔" ان کی سوچوں کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ وہ بڑبڑاتی ہوئی اٹھ کر اس کے کمرے میں آئیں۔ صندل بخار میں جل رہی تھی۔

"لو ہو۔" انہیں بے اختیار گھبراہٹ اور جھنجلاہٹ نے بیک وقت گھیرا۔

بخار بہت تیز تھا اور صندل بیماری میں بھی اپنی پروا کرنے والی نہیں تھی۔ اگر وہ دوا کھانے پر زور دیتیں تو وہ چڑچڑاہٹ سے انہاں ہی پر چڑھ دوڑتی۔

دفعتاً "انہیں کسی کا خیال آگیا۔

وہ سوچتے ہوئے اس کے سیل میں سے کانٹیکٹ لسٹ کھنگالنے لگیں۔

✡ ✡ ✡

آج ناشتے کی میز پر جبران بھی ان لوگوں کے ساتھ تھا اسی لیے روز سے کچھ بڑھ کر رونق نظر آرہی تھی۔

"تم اتنی صبح کیوں اٹھ گئیں مون! تمہیں رات نیند تو ٹھیک سے آئی۔" ثمیر کے لہجے میں بہن کے لیے محبت اور فکر تھا۔ جبران نے اس کی بات سن کر چونک کر مون کو دیکھا۔ جس کے چہرے پر ایک بے بسی اور اداس مسکراہٹ کے سوا کچھ نہ تھا۔

"تم اتنی بڑی ہوگئی ہو مون۔ کب نکلے گا تمہارے دل سے یہ خوف۔"

نعمو اب ناشتہ چھوڑ کر افسوس سے اسے دیکھ رہا تھا۔

وہ ہمیشہ کی طرح خاموش تھی۔ اور جبران اس معصوم اور خاموش حسن کی تجلیاں آنکھوں کے راستے دل میں اتار رہا تھا۔ جہاں اس کی خوبصورتی کے اعتراف کے ساتھ ایک ملال بھی پنہاں تھا۔

"ایسا حسن بلاخیز مگر نامکمل۔"

"اب تم ایسا کرنا کہ ناشتہ کرکے تھوڑی دیر بعد سلیپنگ پلز لے لینا۔ میں کشور سے کہہ دوں گا' تمہارے کمرے میں سوجایا کرے۔ جب تک یہ موسم چینج نہیں ہوتا۔"

وہ اب مصروف انداز میں بولتا ہوا چائے کے گھونٹ بھر رہا تھا۔ جبران نے اس کی بات میں حصہ لینا ضروری نہیں سمجھا۔ یوں بھی اسے لگتا تھا کہ مون کے سامنے اگر کسی بھی دوسرے موضوع پر بات کرنا یا کسی اور طرف دھیان لگانا ایک کٹھن امر تھا۔ وہ کسی بھی ذی ہوش شخص کا دھیان مکمل طور پر خاموشی سے بھی اپنی طرف مرتکز کرسکتی ہے۔

وہ اب بھی مستقل اسی کے بارے میں سوچ رہا تھا جب نعمو کے موبائل کی بیپ نے اسے چونکایا۔

"لو ہو!" نعمو کے ماتھے پر بل نمودار ہوئے۔

"کیا ہوا۔"

"میری کولیگ کی طبیعت خراب ہے اس کی مدد کا مسیج آیا ہے۔" وہ بولتے ہوئے وہاں سے اٹھ گیا۔ اپنا ناشتہ ختم کرچکا تھا۔

"میں تھوڑی دیر میں اسلام آباد کے لیے نکل جاؤں گا۔" جبران نے اسے مطلع کرنا ضروری سمجھا اور ایک اچٹتی نگاہ مون پر ڈالی۔

انتہائی غیر متوقع طور پر وہ اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ نظریں ملنے پر سٹپٹا کر اپنی پلیٹ پر جھک گئی۔

باقی کا سارا وقت جب تک جبران وہاں بیٹھا رہا۔ اس کے ہونٹوں پر ایک دبی دبی مسکراہٹ کھیلتی رہی۔

✡ ✡ ✡

"آپی! آپی! صندل۔"

کوئی گہری نیند میں اسے دور سے آواز دے رہا تھا۔

کبھی یہ آواز قندیل کی بھیانک آوازوں میں بدل جاتی۔ خوفزدہ' چیختی ہوئی اور بھیجتی ہوئی آواز اور کبھی۔ کوئی مردانہ آواز میں پکارتا۔

"صندل!"

اس نے بے چینی سے سر کو دائیں بائیں پٹخا۔ بے انتہا تپش اور گرمی میں ایک ٹھنڈا احساس پیشانی سے ہوتا ہوا پورے چہرے کو ٹھنڈا کرنے لگا۔

اس کی نیند پرسکون نہیں تھی۔ مگر گہری ضرور تھی۔ جب ہی بے انتہا بے چینی کے باوجود بجائے اس کی آنکھ کھلنے کے بند پلکوں تلے کچھ بوجھل آوازیں اسے اپنی طرف بلا رہی تھیں۔

وہ ان آوازوں کا تعاقب کرنا چاہتی تھی۔ وہ اس آواز کو پہچانتی بھی تھی۔ وہ قندیل کی آواز تھی۔ "آپی۔"

"آپی۔ ی۔ ی۔" درد میں ڈوبی۔ کرب واذیت کے سمندر میں ڈوبتی ابھرتی آواز۔

اس نے اسے بلانے کے لیے لب کھولنے چاہے۔ مگر آواز نہیں نکلی۔ اسے لگا پورا زور لگا کر بھی وہ صرف سرگوشی کی صورت اس کا نام پکار سکتی ہے اور بس۔ جبھی ایک اجنبی مردانہ آواز نے اسے پکار لیا۔

"صندل!" ساتھ ہی اپنی کلائی پر کسی کا لمس بھی۔

وہ آدھی سوئی اور آدھی جاگی کیفیت میں سامنے کھڑے نعمو کو دیکھ رہی تھی۔ گویا جیسے پہچاننے کی کوشش کررہی ہو۔

"کیا ہوا! میں ہوں صندل۔ نعمو۔"

وہ چہرے پر تشویش لیے۔ بظاہر مسکرا کر اس سے پوچھ رہا تھا۔ مگر اس مسکراہٹ کے ساتھ ہی اس کی پیشانی پر پڑے بل اس کے تفکر کو ابھار رہے تھے۔ چند لمحے اسے یونہی دیکھنے کے بعد اس نے سائیڈ ٹیبل سے چند ٹشو نکال کر اس کی طرف بڑھائے۔

"لو اپنا چہرہ صاف کرو۔"

"کس قدر پسینہ پسینہ ہورہی ہو۔ لگتا ہے بخار اتر گیا۔" نغمانہ کی آواز پر وہ چونکی۔ وہ اس کے دائیں جانب کھڑی محبت سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

منظر کچھ واضح ہوچلا تھا۔ اس نے خاموشی سے نعمو کے ہاتھ سے ٹشو پیپر لے لیے۔

✡ ✡ ✡

آفس میں کام بہت زیادہ تھا۔ وہ چھٹی نہیں کرسکتا تھا۔ ورنہ آج جس حالت میں صندل کو دیکھا۔ اسے چھوڑ کر آنے کو بالکل دل نہیں چاہ رہا تھا۔

جانے کب اور کیسے وہ سادہ اور سنجیدہ مزاج کی لڑکی اس کی دھڑکنوں میں اس طرح آن بسی کہ اب اس کے بغیر زندگی گزارنے کا تصور بالکل ناممکن نہیں تو مشکل ترین ضرور لگنے لگا تھا۔

اس کے گھر سے نکلتے وقت گو کہ وہ صندل سے کوئی بات نہیں کرسکا۔ کیونکہ تھوڑی دیر جاگنے اور بہت تھوڑا سا سوپ پینے کے بعد دواؤں کے زیر اثر وہ پھر سے غنودگی میں چلی گئی تھی۔ ہاں لیکن اس کی ماما۔ نغمانہ بختاور نے اسے کچھ ضروری بات کہنے کے لیے روکا تھا۔ اور وہ ضروری بات کیا تھی۔ اس کے گمان میں دور دور تک بھی ایسا خیال نہ تھا۔ کہ نغمانہ اس کے دل کی بات خود ہی کہہ دیں گی اور وہ بھی اس قدر جلدی۔

"تم بہت کم عرصے میں صندل کے بہت قریب آچکے ہو۔ یقیناً" اسے اچھی طرح جان بھی چکے ہوگے۔ بہت کم عمری سے گھر کے بگڑے ہوئے حالات اور ایک ایب نارمل طرز کی زندگی گزارنے کی وجہ سے وہ بہت سوبر اور سنجیدہ مزاج ہوگئی ہے۔ پہلے والد اور پھر بعد میں اپنی چھوٹی بہن کی حادثاتی موت نے اسے وقت سے پہلے ہی اپنی عمر سے دگنا بڑا کردیا ہے۔"

ایک قدرے طویل تمہید کے بعد جب انہوں نے اپنا مدعا اس کے سامنے رکھا تو "اس کا جی چاہا کہ ہر مصلحت بالائے طاق رکھ کر کم سے کم ایک بار ضرور کھل کر زور سے خوشی سے بھرپور قہقہہ لگائے۔

"میری طرف سے خود پر کوئی دباؤ مت سمجھنا۔ بس تم مجھے اچھے لگتے ہو۔ بہت اپنے اپنے سے۔ اس لیے تم سے یہ بات کہہ دی۔" آخر میں وہ اپنے اس اقدام پر کچھ شرمندہ بھی نظر آئیں۔

"بس مجھ پر ایک احسان کرنا' چاہے تمہارا ارادہ کچھ بھی ہو' صندل کو کبھی اس بات کی بھنک نہ پڑے کہ میں نے خود تم سے یہ بات کی ہے۔ تم جانتے تو ہوگے۔ میں اس کی سگی ماں نہیں ہوں۔ اس لیے ہوسکتا ہے۔ وہ میرے اس فعل کو اپنے لیے بھلائی کی کوشش سمجھنے کے بجائے کچھ اور سمجھ بیٹھے اس لیے۔"

اور جب وہ وہاں سے نکل کر آفس کی طرف جارہا تھا تو نہ صرف ان کی تشفی کرواچکا تھا۔ بلکہ لبوں سے بات بے بات نکلتی مسکراہٹ کو بمشکل اور مسلسل قابو میں رکھنے کی کوشش کررہا تھا۔

✡ ✡ ✡

نغمانہ کی بات نے اس کے دل میں دبی خواہش کو

جیسے راستہ دے رہا تھا۔ وہ جلد از جلد صندل کو اس خواہش سے آگاہ کرنا چاہتا تھا کہ وہ صندل کو زندگی بھر کے لیے اپنی زندگی میں شامل کرنا چاہتا ہے۔

لیکن وہ جتنی جلدی کرنا چاہتا تھا۔ قدرت کی طرف سے اتنی ہی دیر ہوتی جارہی تھی۔ پہلے تو صندل چار پانچ دن بخار میں جلنے کی وجہ سے نہ آفس آسکی۔ نہ اس قابل ہوسکی کہ اتنی سنجیدہ نوعیت کی بات سن کر کوئی فیصلہ کرسکتی۔

اس کے فٹ سے انکار کرنے کا امکان بھی بہرحال اپنی جگہ موجود تھا۔ خدا خدا کرکے اس کا بخار اترا اور وہ آفس آنے کے قابل ہوئی بھی تو آنہ سکی۔ بلکہ آفس میں ہی اس صبح اس کی کال موصول ہوگئی۔

"نعمو! ماما کی طبیعت بہت خراب ہوگئی ہے۔ ان کا بلڈ پریشر خطرناک حد تک شوٹ کرگیا ہے اور ناک سے خون نکل رہا ہے۔"

وہ انہیں لے کر ہسپتال جارہی تھی۔ اور ظاہر ہے نعمو کو فون کرنے کا مقصد بھی یہی تھا کہ وہ پہلی فرصت میں وہاں پہنچ جائے۔

ڈاکٹرز نے ایمرجنسی میں ایڈمٹ کرکے فوری ٹریٹمنٹ دینا شروع کردیا۔ کئی گھنٹے ذہنی پریشانی میں گزرے۔

اس صورت حال میں اسے پرپوز کرنے جیسی بات کرکے اسے گنوانا نہیں چاہتا تھا۔

☆ ☆ ☆

"بھائی جی! جبران صاحب کا صبح سے تین بار فون آچکا ہے۔ وہ ہر بار آپ کا پوچھ کرکہتے ہیں کہ جیسے ہی آپ آئیں فوراً انہیں فون کریں۔"

اس نے گھڑی دیکھی۔ رات کے گیارہ بجے تھے۔ نیند سے اس کی پلکیں جڑ رہی تھیں۔ پھر بھی جبران کے انداز کے غیر معمولی پن کو سوچ کر اس نے اسی وقت فون کرلیا۔

"صبح سے کہاں تھے تم خیریت۔ تمہارا فون بھی آف تھا۔"

"ہاں بس ایک کولیگ کی والدہ ایڈمٹ تھیں۔ اور بیٹری صبح ہی ڈیڈ ہوگئی تھی۔ میں صبح سے بلکہ [illegible] سے ان کے چکر میں پھنسا ہوا تھا۔"

"اوہ۔ اب کیسی ہیں وہ۔"

"ٹھیک ہیں۔ کل ڈسچارج ہوں گی۔ تمہیں کیا کام تھا۔ کشور نے کہا کہ جیسے ہی آؤں تمہیں فون کروں۔" اس نے ملازمہ کے نام کا حوالہ دیا۔

"ہاں میں نے یہی کہا تھا۔ بات تو خاص ہے مگر فون پر کرنے والی نہیں۔ کراچی میں اکیلا آنا نہیں چاہتا۔"

"اکیلے نہیں آنا چاہتے۔ خیریت؟ کوئی بیگم وغیرہ تو نہیں کرکرالی۔ ایمرجنسی میں۔"

"کر بھی سکتا ہوں۔ اگر تمہاری اجازت اور تعاون مل جائے۔" دوسری جانب اس کے مذاق کے جواب میں وہ از حد سنجیدہ تھا۔

"میری اجازت اور تعاون۔ خیریت ہے۔ وہ کس لیے۔" اب کی بار نعمو بھی ذرا کی ذرا سنجیدہ ہوا۔ لہجہ البتہ ابھی بھی مسکرا رہا تھا۔

"ہاں یار۔ اگر تم برا نہ مانو تو۔"

"اب بول بھی چکو۔ ایسی بھی کیا بات ہے۔"

"نعمو! میں۔" دوسری جانب وہ بات ادھوری چھوڑ کر کسی سوچ میں پڑ گیا۔ نعمو کو الجھن تو ہوئی مگر خاموشی سے منتظر رہا۔

"میں منال سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔" اس نے اٹک اٹک کر بات مکمل کی۔ دوسری طرف نعمو سنتے ہی ایک جھٹکے سے سیدھا ہو بیٹھا۔

"کیا۔ کیا کہا تم نے۔"

"نعمو۔ پلیز۔ برا مت ماننا۔ اگر تم نہیں چاہو گے تو میں زندگی بھر اس کا نام تک دوبارہ نہیں لوں گا۔" اس کے اس طرح کہنے سے جبران گھبرا سا گیا۔ جبکہ نعمو کے چہرے پر مسکراہٹ پھیلتی جارہی تھی۔ ایک تسلسل کے ساتھ۔

"پاگل ہے کیا تو یار۔ بس کردے اب میں کیوں برا مانوں گا۔ یہ کوئی برا ماننے والی بات ہے۔"

بات مکمل کرتے کرتے ہنس دیا۔ جبران اب اپنی بات ادھوری چھوڑ کر اس کے مزید بولنے کا منتظر تھا۔

"امی آرہی ہیں کیا؟"

"ہاں اسی ہفتے۔"

"بس تو پھر تو پہلے ان سے بات کر۔ میری طرف سے مطمئن ہوجا۔" فون بند کرتے وقت اس کی آنکھیں نم تھیں۔

"تم نہیں جان سکتے جبران۔ تم جس بات کو کرتے ہوئے میری ناراضی کی وجہ سے ڈر رہے تھے۔ اس نے کتنی انوکھی اور شاید زندگی کی سب سے بڑی خوشی بخشی ہے مجھے۔"

تکیہ سیدھا کرکے لیٹتے سے وہ جانتا تھا کہ آج کی رات نیند مہمان نہیں ہونے والی۔ جبران کی کی ہوئی بات کی خوشی ماضی کی تکلیف دہ یادوں سے ٹکراتی رہے گی۔

☆ ☆ ☆

منال اس کی چھوٹی بہن عمر میں اس سے کافی چھوٹی تھی۔

اسے وہ اس کی بدقسمتی گردانتا تھا کہ عمر کے اس دور میں جب بچیاں تتلی کے پروں سے رنگ چراتی ہیں اور پھولوں کی خوشبوؤں کو صابن اور شیمپو میں ڈھونڈ کر خوش ہوتی ہیں۔ منال نے اس معصوم عمر میں اپنی ماں کو بہیمانہ انداز میں قتل ہوتے دیکھا اور اس واقعے کے اثرات زندگی بھر کے لیے اس کی قوت گویائی چھین کر اس کی شخصیت پر ثبت ہوگئے۔

وہ رات۔ وہ کوئی طوفانی رات نہ تھی۔ نہ گرج چمک تھی۔ نہ موسلادھار بارش۔

وہ تو ایک بہت خوب صورت بارش کی مدھم بوندوں میں شرماتی اور کچی مٹی کی خوشبو سے بھری رات تھی۔ پھر جانے کب اور کیسے کہاں سے گہری گھٹائیں امڈ آئیں۔ تڑاتڑ بوندیں برسنے لگیں۔

وہ گہری نیند میں سوا رہا۔ لیکن سدا کی ڈرپوک منال جاگ گئی۔ اور اس کا جاگنا ہی اس کے بخت کی سیاہی بن گیا۔ اس کی اپنی آنکھ اس وقت کھلی جب اس کی دل خراش چیخوں سے گھر گونج اٹھا تھا۔

وہ یاد نہیں کرنا چاہتا تھا۔ لیکن وہ رات۔

اپنی پوری ہولناکی کے ساتھ اس کی یادداشت میں یوں زندہ تھی کہ وہ چاہ کر بھی اپنے ذہن سے اسے کھرچ نہیں پاتا تھا۔

منال کی زبان ہمیشہ کے لیے خاموش ہوگئی۔ صرف جسم زندہ رہ گیا۔ خاموش، اداس اور خوف زدہ۔ پھر کتنے بہت سے سال گزرے۔

ڈیڈ کے اوپر اس واقعے نے اپنے اثرات تو چھوڑے مگر بے حد کم۔ وہ اپنی کاروباری مصروفیات میں پہلے بھی گم رہتے تھے۔ بعد میں اور زیادہ رہنے لگے۔

ایسے میں صرف ایک وہ ہی تھا جو سائے کی طرح منال کے ساتھ رہتا۔ جانے کس احتیاط کے پیش نظر اس نے ڈیڈ سے کہہ کر اس کے لیے ایک نہیں دو نہیں تین ملازم رکھے۔ ایک باڈی گارڈ جو گھر سے باہر اس کے ساتھ ساتھ رہتا۔ ایک کل وقتی ملازمہ جو گھر کے اندر اس کی سنگی سہیلی کی طرح سایہ بنی رہتی اور ایک بے حد میٹھے نقوش اور نرم لہجے والی جرمن کیئر ٹیکر۔ جو نہ صرف اس کی دواؤں اور ڈائٹ کا خیال رکھتی۔ بلکہ اسے پابندی سے سائیکاٹرسٹ کے پاس لے جاتی۔

خود اس نے اپنی پڑھائی کے علاوہ باقی تمام مشاغل اور مصروفیات سے کنارہ کشی اختیار کرلی۔

اس کی محنت محبت اور توجہ کا اسے یہ صلہ ملا کہ منال بھی کبھی اسے "بھائی" کہہ کر پکارنے لگی۔ ہنسنے مسکرانے لگی۔ اور خوشی کا اظہار کرنے لگی۔

ہر بار اس کی کسی نئی پیش رفت پر وہ خود یوں خوش ہوتا کہ جیسے اسے قارون کا خزانہ مل گیا ہو۔ رفتہ رفتہ بہت دھیرے دھیرے وہ زندگی کی طرف واپس لوٹنے لگی تو تب اس نے بھی اپنی پڑھائی کے ساتھ ساتھ دوستیاں، مشاغل اور کچھ وقت گھر سے باہر گزارنا شروع کیا۔

یوں بھی اب وہ اس کی ذاتی ملازمہ اور جرمن کیئر

نکر پر بہت افتخار کرنے لگا تھا۔ انہوں نے بھی منال کو بالکل کسی سگے خونی رشتے کی طرح توجہ اور محبت سے پروان چڑھایا تھا۔

وہ ان کی کارکردگی سے مطمئن نظر آتا تھا اور بہت پرامید تھا کہ ایک دن منال بالکل عام اور نارمل لڑکیوں کی طرح ہنستا بولنا اور دوسری سرگرمیوں میں حصہ لینا شروع کردے گی۔ لیکن۔۔۔

زندگی اتنی مہربان ثابت ہوئی نہ آسان۔ جتنا اس نے سوچا تھا۔ ڈیڈ کی کاروباری رقابت بڑھتے بڑھتے آفس سے گھر تک پہنچ گئی اور ایک رات۔۔۔

وہ بھی ایسی ہی طوفان خیز اندھیری رات تھی۔ جب چاند گھرے بادلوں کی اوٹ میں جا چھپا تھا۔

☼ ☼ ☼

کسی نے بہت اچانک بہت وحشیانہ انداز میں دروازے کو پیٹا تھا۔ کشور سے لپٹ کر سوتی ہوئی منال اور خود کشور بھی لمحہ بھر میں جاگ گئی اور منال بری طرح کشور کی گود میں گھس گئی۔

آنے والے کے انداز نے بتا دیا تھا کہ وہ کوئی گھر کا فرد نہیں اور یہ بھی کہ وہ ان کا خیر خواہ بھی نہیں۔۔۔

بہت کم وقت میں نہ صرف دروازہ ٹوٹ گیا بلکہ اندر گھس آنے والوں نے کشور کے ہاتھ پیر باندھ کر اسے باتھ روم میں بند کر دیا۔ وہ رات۔۔۔ شاید نہیں "یقیناً" اس کی زندگی میں آنے والی ہر رات سے زیادہ بھیانک اور ہولناک تھی۔

اس رات کی سیاہی بڑھ کر اس کے پورے نصیب پر چھا گئی۔

گھر میں کوئی مرد ایسا نہ تھا جو ان وحشی جانوروں کے بے رحم شکنجے سے اس کا نازک بے ضرر وجود بچا سکتا۔

وہ تعداد میں کتنے تھے؟ کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا تھا۔

وہ کون تھے؟ کوئی نہیں جانتا تھا۔ ان کا مقصد کیا تھا؟ کسی کو معلوم نہ تھا۔

اور نہ ہی کوئی یہ جان سکتا تھا کہ بھلا منال جیسی لڑکی جس نے اپنی پندرہ سالہ زندگی میں نہ کسی سے لینا تھا نہ دینا۔ اس کی زندگی رگید کر انہیں کون سی تسکین ملنے والی تھی۔

وہ چیخ نہیں سکتی تھی۔ اس کی آواز نکلتی ہی نہ تھی۔ خوف سے اور بھی بند ہو جاتی۔ انہوں نے اسے بے دردی سے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹنا شروع کیا۔ اوپری منزل کی سیڑھیوں سے گرتے پڑتے گھسیٹتے خوف اور دہشت سے اس کی آنکھیں پھٹنے والی ہو گئیں۔ نرم ملائم کپڑے ماربل کی بنی سیڑھیوں اور بجری کی روش تک پہنچتے پہنچتے تار تار ہو گئے اور اس رات۔۔۔

شمیر کی سالوں کی محنت، توجہ اور امیدوں کی بھی دھجیاں اڑ گئیں۔ برستی بارش نے کوئی پردہ نہ رکھا۔

کرب و اذیت سے خود کو جانوروں کی طرح رستے دیکھ کر اس نے پوری طاقت لگا کر چلانا چاہا تھا۔ کسی کو پکارنا چاہا تھا۔ اپنے باپ کو۔ جس کی بیشتر راتیں گھر سے باہر گزرتی تھیں۔ کہاں۔۔۔ کوئی نہیں جانتا تھا۔

اپنی ماں جائے کو۔ اپنے بھائی کو۔۔۔ جو اس کی حفاظت کے خیال سے ہر وقت اس کے ساتھ رہنا چاہتا تھا۔

مگر۔۔۔ کوئی نہیں تھا۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ جو اس کی مدد کو آتا۔ اس کی داد رسی کرتا۔

وہاں صرف بھیڑیے کے روپ میں انسان تھے یا انسان کے روپ میں درندے۔ جن کے چہروں پر سفاکیت تھی اور سینوں میں دل کی جگہ پتھر۔

بند ہوتی آنکھوں سے جو اس نے آخری منظر دیکھا 'وہ ان کے چوکیدار کی لاش تھی ویسی ہی خون میں لت پت' بے جان لیکن کھلی آنکھوں والی ساکت لاش۔

بارش میں برسنے والی پانی کی نرم ٹھنڈی بوندیں پتھر کی طرح اس کے زخمی وجود سے ٹکراتی رہیں اور وہ نیم برہنہ حالت میں بے حس و حرکت گھر کے بیرونی دروازے کے قریب گھنٹوں پڑی رہی۔

☼ ☼ ☼

وہ اس رات جانے کتنے عرصے بعد اپنے دوستوں کے بے انتہا اصرار پر رات کا کھانا کھانے اس

ریسٹورنٹ میں آیا تھا۔

چند دن بلکہ کچھ مہینوں پہلے بالکل اچانک اور غیر متوقع طور پر وقوع پذیر ہونے والے ایک واقعے نے اسے بے حد ڈپریس کر رکھا تھا۔ اس نے اپنے سرکل سے تعلق رکھنے والی ایک لڑکی کو پسند کیا مگر بعد میں حالات کچھ ایسے ہوئے کہ وہ اس سے خوف زدہ ہو کر اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھی۔

یہ حادثہ اتنا معمولی نہ تھا کہ وہ روز مرہ روٹین میں لگ کر بھول جاتا۔ وہ اس لڑکی سے طوفانی قسم کی محبت نہیں کرتا تھا۔ مگر ایسا بھی نہیں تھا کہ اتنی بڑی بات پر سر جھٹک دیتا۔

صد شکر تھا کہ اس کے گھر والوں سے یہ بات چھپی رہ گئی۔ ورنہ کیس بھی بن سکتا تھا۔ بس اللہ نے اس کا پردہ رکھ لیا۔

مگر وہ بری طرح ڈسٹرب ہو کر رہ گیا۔ یار دوست تھے تو مگر اتنے قریب کوئی نہ تھا کہ اس کی الجھن شیئر کرنے کے قابل ہوتا۔ وہ خود ہی سوچ سوچ کر شرمندہ ہوتا رہا۔ مگر لفظ "شرمندہ" اس احساس جرم کے لیے بہت چھوٹا تھا جو دھیرے دھیرے اس کے دل میں اپنی جڑیں پھیلا رہا تھا۔

فرینڈ سرکل میں بھی اس کی حادثاتی موت کو کافی عرصے ڈسکس کیا گیا۔ کچھ کو افسوس تھا کہ بے چاری اتنی سی عمر میں جان سے گئی۔ جانے اس کے ساتھ ایسا کیا ہوا تھا اور کچھ کو شک تھا کہ یہ سیدھا سیدھا مرڈر کیس ہے اور اگر گھر والے چاہیں تو اس کا قاتل پکڑا بھی جا سکتا ہے۔

وہ بہت عرصے اس لڑکی کے گھر والوں کی طرف سے کسی پیش رفت کا منتظر رہا مگر قدرت کو شاید اس کا پردہ رکھنا منظور تھا۔ جب ہی دن پر دن گزرتے چلے گئے یہاں تک کہ معاملہ دب گیا۔

دنیا کا نظام بھلا کسی کے چلے جانے سے کب رکا ہے جو اب رکتا بس یہ ہوا کہ وہ کچھ اور بھی اپنے خول میں سمٹ گیا۔ لیکن دن رات کی سوچوں سے چھٹکارا حاصل کرنا بھی ضروری تھا۔ اسی لیے ایک قریبی دوست کے بہت بلانے پر وہ کشور کو بتا کر اپنے دوست کے پاس چلا گیا۔

جس وقت وہ گھر سے نکلا آسمان پر بادل بھی تھے اور ہلکی بوندا باندی کے آثار بھی۔ اس نے بطور خاص کشور کو منال کے پاس رہنے اور بالکل نہ ہٹنے کی تاکید کی تھی۔ کھانا ختم ہوتے ہی وہ گھر چلا جانا چاہتا تھا۔ کیونکہ موسم کے تیور بگڑنے لگے تھے پھر یوں ہوا کہ قدرت نے اپنی سی کی اور اس کی گاڑی اس کے دوست کے گھر کے سامنے ہی پنکچر ہو گئی۔

اس نے تھوڑی دیر پہلے ہی گھر بات کی تھی تو کشور نے بتایا تھا کہ منال سو چکی ہے اور وہ بھی اس کے ساتھ ہی سونے جا رہی ہے۔ لیکن ڈیڈ گھر پر نہیں تھے اور موسم بگڑتا ہی جا رہا تھا۔ یہی بات اس کے لیے تشویش کا باعث تھی۔ کہ اس وقت مون گھر پر صرف نوکروں کے رحم و کرم پر تھی۔

"اتنی طوفانی بارش میں جاؤ گے کیسے۔ گاڑی کا مسئلہ نہیں۔ تم میری لے جاؤ۔ مگر باہر حال تو دیکھو۔"

ایک دو کے علاوہ تقریباً "سارے ہی دوست اس کے گھر میں رک گئے تھے۔ لیکن گھر پہنچنے کے لیے اگر کوئی آمادہ ہو رہا تھا تو وہ صرف شمیر تھا۔

اس نے ایک فکر مند نظر باہر اندھیرے میں ڈوبے لان پر ڈالی۔ کبھی بجلی کڑکتی تو منظر واضح ہو جاتا۔ ورنہ پورا لان پھر سے اندھیرے میں ڈوب جاتا۔ شاید گھر کے مالک نے آرائشی لائٹس بھی بند کروا دی تھیں۔

لمحے بھر کی بجلی کی چمک 'برستی بارش میں بڑا خوف ناک سا منظر پیش کرتی اور وہ ہر بار نہ جانے کیوں بے چین سا ہو جاتا۔

"میری مانو تو آج رات رک ہی جاؤ۔ اس طوفانی بارش میں تو خیر تم جا ہی نہیں سکتے۔ عرصے بعد یار دوستوں سے مل بیٹھے ہو۔ ورنہ تم نے تو دنیا کی ہر تفریح ہی خود پر حرام کر لی ہے۔ آج رک جاؤ۔ لیٹ نائٹ جاگیں گے۔ ہلا گلا موج مستی۔"

کئی گھنٹے کی موسلا دھار بارش کے بعد جب موسم

سدھرنے کے ذرا آثار پیدا ہوئے تو گھر کے لیے نکلنے والا اب سے پہلا فرد وہی تھا۔

اور وہی فرد واحد تھا جو نشے کے بجائے بالکل ہوش و حواس میں تھا۔ کار پورچ میں کھڑی اپنی گاڑی کا ٹائر اس نے گاڑی گھر کے اندر کرتے ہی برستی بارش میں ہی تبدیل کرلیا تھا۔

اس نے کئی بار کشور کو فون کرنے کا بھی سوچا کہ پوچھ لے ڈیڈ گھر آئے یا نہیں۔ مگر پھر کشور اور منال کی نیند خراب ہونے کا سوچ کر اپنے ارادے پر عمل نہ کرسکا۔

تیز رفتاری سے گاڑی دوڑاتے' سیاہ پہیوں کے نیچے گدلے پانی کے چھپاکے اڑاتے جیسے اس کا گھر نزدیک آتا گیا غیر ارادی طور پر ایکسیلیٹر پر اس کے پاؤں کا دباؤ بھی بڑھتا گیا اور دل کی دھڑکن بھی۔

☼ ☼ ☼

اس نے بہت دور سے ہی دیکھ لیا تھا۔

گھر کا بیرونی بڑا گیٹ جو صرف گاڑیوں کی آمدورفت کے لیے کھلتا تھا اس وقت یوں پاٹوں پاٹ کھلا ہوا تھا۔ جیسے ابھی ابھی یا تو کوئی گاڑی اندر گئی ہے یا باہر نکلی ہے۔ مگر اس میں کوئی غیر معمولی پن سا تھا۔ کیا۔

وہ پٹھان چوکیدار' جو گھر کے سب ملازمین کا مشترکہ لالہ تھا۔ کہیں نظر نہیں آرہا تھا۔ ورنہ کوئی گاڑی اندر آتی یا باہر جاتی' وہ بڑی مستعدی سے فوراً" بھاگ کر دروازہ کھولتا اور فوراً" ہی بند کرنے دوڑتا تھا۔

کچھ تو تھا جو معمول سے ہٹ کر تھا۔ کوئی بات تھی جو اس کا دل دھڑکا رہی تھی۔

گیٹ کے سامنے گاڑی روکتے ہی اسے اپنے دل کی بے کلی کا جواب ملا اور وہ جواب اس قدر بھیانک تھا کہ اس کے ڈراؤنے پن نے اس کے لبوں پر زندگی بھر کے لیے تالے ڈال دیے۔

پٹھان لالہ کی لاش' چوپٹ کھلا دروازہ اور چند قدم دور مسلی ہوئی کلی کی طرح اپنے نصیبوں کا بے زبان خاموش ماتم کرتی نیم مردہ منال۔

اسے آج بھی حیرت تھی کہ اس کا ذہنی توازن اس وقت ہی بگڑ کیوں نہ گیا۔ ہفت آسمان اس کے سر پر ٹوٹے تھے۔ تو پھر آج وہ زندہ کیوں تھا۔ اس لمحے ہی کیوں آسمانوں کے بوجھ تلے دب کے مر کیوں نہ گیا۔

اس نے کس طرح منال کا نیم برہنہ وجود اپنے بازوؤں میں سمیٹا تھا۔ اسے لگا اس کے بازو کسی نے کندھوں سے کاٹ ڈالے۔

اسے آج بھی لگتا تھا اس کی زندگی بے غیرتی کا دوسرا نام ہے اور کچھ نہیں۔

کیوں۔

کیونکہ وہ اس قبیح جرم کے مرتکب افراد کو کیفر کردار تک پہنچانا تو دور کی بات۔ انہیں تلاش تک نہ کرسکا۔ منال کو طبی امداد دینا ضروری تھا۔ ازحد ضروری۔ لیکن وہ تو میڈیا والوں کو بھی اس تک پہنچنے سے روک نہیں پایا۔ ایک بہت معمولی ہی سہی۔ لیکن اخبار میں خبر لگ ہی گئی تھی۔ آخر ایک مشہور و معروف کاروباری شخصیت کی اکلوتی بیٹی کے ساتھ "اجتماعی زیادتی" کی گئی تھی۔

"اجتماعی زیادتی۔ اوف۔"

اس کے پورے جسم پر اس لمحے بھی چیونٹیاں سی رینگ جاتی تھیں۔ سرخ انگارہ سی چیونٹیاں۔ جو کاٹتی نہیں تھیں۔ آبلے ڈال دیتی تھیں۔ وہ آبلے جو جسم کے بجائے روح میں پڑتے تھے اور ہمیشہ کے لیے سلگتے رہ جاتے تھے۔

☼ ☼ ☼

رات کا سفر دھیرے دھیرے اپنے اختتام کو پہنچا اور یادوں کا بھی۔ اور یہ ماضی کی یادیں بہت ہی عجیب شے ہوتی ہیں۔

انسان ان سے پیچھا نہیں چھڑا سکتا۔ اگر یہ یادیں خوش گوار ہوں تو کون چاہتا ہے بھولنا۔ مگر یہ تب بھی آنکھیں نم کرنے کا سبب ہی بنتی ہیں۔ مگر اگر یہ یادیں اس قدر زہریلی ہوں' اتنی تکلیف دہ ہوں۔ تو پھر آنکھوں کے سرخ ڈوروں میں انسان کے پچھتاوے

دکھ اور افسوس کا لہو جم کر صاف دکھائی دیتا ہے۔

"بھائی جی! آپ کی طبیعت ٹھیک ہے۔"

گھر کے پرانے ملازمین میں سے صرف کشور کا ساتھ باقی بچا تھا۔ وہ بھی اس کے اپنے اصرار پر۔ ورنہ اس دل سوز واقعے کے بعد "تقریباً" سارے ہی ملازمین ایک ایک کرکے جاچکے تھے۔

صرف ایک کشور ہی تھی جو بڑی وفاداری بلکہ محبت کہیں تو غلط نہ ہوگا' کے ساتھ اس گھر سے اپنا تعلق نبھا رہی تھی اور منال کو اپنی بیٹیوں کی طرح چاہتی تھی۔

منال کی وہ جرمن کیئر ٹیکر جو اس کے علاج اور تربیت کی گرومنگ کے لیے ہر وقت ہمیشہ بڑی مستعد رہتی تھی۔ اسی رات ندی میں جکڑے ہاتھ پاؤں کے ساتھ فقط ایک ہی رات واش روم میں گزار کر صبح کے آثار نمودار ہوتے ہی نوکری چھوڑ گئی تھی۔

شاید وہ بھی اپنی جگہ ٹھیک تھی۔ نوکری کتنی ہی آسان اور شاہانہ کیوں نہ ہو۔ جان سے بڑھ کر تو نہیں تھی اس کے لیے۔

"ہوں۔" وہ کشور کی بات پر چونکا اور پھر رات بھر کی مسافت کی اوٹ سے ایک خوش خبری نے اپنا سر نکال کر جھانکا۔

"ہاں۔ ہاں۔ ہاں کشور' اب تو طبیعت ٹھیک ہونے کے دن آگئے ہیں۔"

اس کی سرخ انگارہ آنکھوں اور نڈھال وجود کے برعکس اس کا لہجہ بشاش ہوگیا۔

کشور کچھ سمجھی اور کچھ نہیں۔ اس نے چپ چاپ ایک کاغذ کا ٹکڑا اس کی طرف بڑھا دیا۔

"اوپر والے کرائے دار کرائے کا چیک دے کر گئے تھے کل۔"

اس نے مسکراتے ہوئے لے کر جیب میں ڈال لیا اور جلد جلدی ناشتا کرنے لگا۔ اسے جلدی تھی۔ آفس جانے کی نہیں۔ صندل کے پاس جاکر اس سے یہ خوش خبری شیئر کرنے کی کہ اسے اپنی بہن کے لیے ایک بہت ہی اچھا شخص مل گیا تھا۔ جو نہ صرف خود

سے منال کا طلب گار تھا بلکہ اس کے ماضی کے ان سیاہ اوراق سے بھی واقف تھا۔ جن پر کوئی دن کی روشنی میں بھی نگاہ ڈالنا پسند نہیں کرتا۔

☼ ☼ ☼

نغمانہ کی طبیعت میں خاطر خواہ بہتری آچکی تھی۔ ڈاکٹرز نے ان کی چھٹی کردی تھی۔ وہ شام میں گھر آنے کا کہہ کر آفس چلا گیا۔ اس کا ارادہ آج شام میں ہی صندل کو منال کی بابت بتا کر اسے پروپوز کردینے کا تھا۔

وہ اب اس کام میں مزید تاخیر نہیں کرنا چاہتا تھا۔

نغمانہ کی بیماری کی شدت نے صندل کو بھی پریشان کردیا تھا۔ وہ یقیناً" اپنے مستقبل کے بارے میں سوچنے پر مجبور ہوچکی تھی۔

نمیر نے ایک سرخوشی اور عجب بے نیازی کے سے عالم میں دن بھر کے معمولات نمٹائے اور آفس سے واپسی پر سیدھا صندل کے گھر جا پہنچا۔

آج دل کی امید اور خوشی کا عالم ہی کچھ اور تھا۔ اسے پورا یقین تھا کہ صندل اس کے پروپوزل کو مسترد کرہی نہیں سکے گی۔

اور وہ۔ کتنی ہی دیر اس کی بات سن کر اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔ پھر نظریں جھکالیں۔

"ہم۔ تم یہ بات سوچ سمجھ کر کہہ رہے ہو نا۔"

"بالکل۔"

نمیر کو اس کی بات سے ذرا کی ذرا حوصلہ ہوا۔ اس نے چٹا انکار منہ پر نہیں دے مارا تھا بلکہ اس کی آنکھوں میں سوچ کی گہری پرچھائیاں لہرا رہی تھیں۔

"کیا سوچنے لگیں؟" وہ اس کے چہرے کا ایک ایک تاثر پڑھ رہا تھا۔

"سوچ رہی ہوں۔ تم نے مجھ میں بھلا دیکھا ہی کیا ایسا۔ جو اتنا بڑا فیصلہ کرلیا۔"

"جو میرے مطلب کا تھا' وہ میں نے دیکھ لیا۔ مجھے اور کچھ نہیں دیکھنا۔"

"تم میرے بارے میں کچھ نہیں جانتے نمیر! اور۔" اس نے گہری سانس لی۔ "اور ہو سکتا ہے

میرے بارے میں، میرے ماضی کے بارے میں جاننے کے بعد تمہارے کوئی تحفظات ہوں۔"

"جانتی تو تم بھی نہیں ہو میرے ماضی کے بارے میں، لیکن جب ایک نئے رشتے کی بنیاد اعتبار اور اعتماد پر رکھی جائے گی تو ظاہر ہے، ہم دونوں ایک دوسرے کو سب بتا ہی دیں گے۔ سب جان جائیں گے اور میرا خیال ہے کہ ہم دونوں کے لیے ہی یہ بات زیادہ اہم ہے۔ ہم فی الوقت کیا ہیں۔" صندل نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ جانے کس ادھیڑبن میں مبتلا تھی۔

"تمہیں مجھ پر بھروسا نہیں ہے کیا۔" نمیر نے اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "یا تمہیں لگتا ہے، میں تمہارے ماضی کے بارے میں جان کر برداشت نہیں کرپاؤں گا۔"

"ہاں مجھے ایسا لگتا ہے۔" کچھ رک کر اٹک کر اس نے بول ہی دیا۔

"دیکھو۔ مجھے کوئی جلدی نہیں ہے۔ نہ تمہارے ماضی کے بارے میں جاننے کی بے تابی۔ تم بہت سوچ سمجھ کر اچھی طرح دیکھ بھال کر فیصلہ کرو۔ تمہارا جو بھی فیصلہ ہوگا۔ مجھے دل و جان سے قبول ہوگا میں۔"

اس نے صندل کی گود میں رکھا اس کا سرد ہاتھ تھپتھپایا۔

"میں اپنی دوستی پر، تمہارے فیصلے کی ذرا سی بھی آنچ نہیں آنے دوں گا۔ تم چاہو تو مجھے سب بتادو۔ دل پر کوئی بوجھ ہے تو ہلکا کرلو۔ نہیں مناسب سمجھو تو نہ بتاؤ۔ میں نے تم سے شادی کا فیصلہ کرہی لیا ہے تو یونہی تو نہیں کیا ہوگا اور اب جبکہ میں نے فیصلہ کرہی لیا ہے تو میں اس سے پیچھے ہٹنے والا نہیں ہوں۔" اس کا لہجہ دھیما لیکن مضبوط تھا۔

صندل کی آنکھیں بہہ نکلیں۔ جانے کیوں۔

وہ ضبط نہیں کرپائی۔

جانے کون کون سی آہٹیں وہ دل پر دستک دے رہی تھیں۔ وہ خاموش گم صم سی بیٹھی رہی۔ نمیر اسے دیکھتا رہا۔

"مجھے تھوڑا وقت دو۔ میں فیصلہ کرنے میں جلد بازی نہیں کرنا چاہتی۔" اس کا گلا رندھا ہوا اور آواز بھیگی ہوئی تھی۔

"جتنا چاہے وقت لو۔ ہزار لے لو۔ ہر ہر طرح سے سوچو، سمجھو، پرکھو۔ یہ زندگی بھر کا فیصلہ ہے اور میں چاہتا ہوں۔ تمہیں زندگی کے کسی بھی موڑ پر آئندہ کبھی بھی کوئی پچھتاوا نہ گھیرے۔" بات مکمل کرکے اس نے چائے لاتی نغمانہ کو دیکھا۔

"اب کیسی طبیعت ہے آنٹی آپ کی۔"

"اللہ کا شکر ہے، بہت بہتر ہے پہلے سے۔"

"میں دراصل آپ لوگوں سے ایک خوش خبری شیئر کرنے آیا تھا۔ میری بہن کی انگیجمنٹ متوقع ہے شاید اگلے پندرہ دنوں میں۔ میں چاہتا ہوں آپ دونوں ضرور آئیں۔" اس نے بہت جلدی اور بے ساختہ خود کو اور ماحول کو سنبھالا دیا تھا۔

"یہ تو بہت خوشی کی بات ہے۔"

صندل کو منال پر گزرنے والے حادثات کا ایک حد تک پتا تھا۔ جب ہی اس کے لہجے میں محسوس کی جانے والی خوشی کھنکی۔

"ہاں، بہت خوشی کی بات ہے۔ اللہ نے بہت اچانک میری وہ دعا سن لی جو شاید میں بند ہونٹوں سے بھی ہر وقت مانگا کرتا تھا۔" اس کے لہجے میں، بہن پر جان نچھاور کرنے والے بھائی کا مان بول رہا تھا۔

نغمانہ شفقت سے اس کا کندنی دلکش نقوش والا چہرہ دیکھتی مسکرا رہی تھیں اور صندل "اس شخص کے زندگی میں شامل ہوجانے پر نازاں نہیں تو مطمئن ضرور تھی۔ کیوں کہ اس کا دل اسے ابھی سے نمیر کی طرف مائل کررہا تھا۔

☼ ☼ ☼

جبران کی والدہ کی کراچی آمد اور منال کے رشتے کی بات سے لے کر منگنی کے فنکشن تک کے تمام مرحلے بخیروخوبی نمٹ گئے۔

جس دن فنکشن تھا وہ، صبح سے ہی نغمانہ سے شرکت کے لیے زور دے رہی تھی مگر ان کی طبیعت

ٹھیک نہیں تھی۔ بڑھتے گھٹتے شوگر لیول اور گرتے بلڈ پریشر نے انہیں ویسے بھی اپنی عمر سے کہیں آگے پہنچا دیا تھا۔

"میں اکیلی کیسے جاؤں گی مما بہت اکورڈ لگے گا۔ نمیر نے آفس اسٹاف میں سے بھی کسی کو نہیں بلایا۔ وہاں صرف اس کی فیملی کے لوگ ہوں گے۔"

وہ صبح سے جانے کیا کیا سوچ کر نروس ہورہی تھی۔

"کوئی لمبا چوڑا فنکشن نہیں۔ وہ بتا کے تو گیا تھا۔ بس اس کا ہونے والا بہنوئی اپنی والدہ اور گھر والوں کے ساتھ ہوگا اور شاید نمیر کے ایک دو دوست ہوں۔ اس نے خاندان والوں کو نہیں بلایا۔ وہ منال کے بارے میں الٹی سیدھی باتیں لگادیں گے اس کے سسرال والوں سے۔"

تھوڑی بے دلی سے ہی سہی۔ وہ جانے کے لیے تیار ہو ہی گئی۔

بلیک اور سلور کامبنیشن کے جارجٹ کے سوٹ میں نغمانہ کے بے حد اصرار پر اس نے عرصہ دراز کے بعد میرون لپ اسٹک کے ساتھ تھوڑا ڈارک آئی میک اپ کیا تھا۔

اس کا روپ، اس کا چہرہ اور وجود کس قدر بدلا بدلا منفرد اور خوب صورت لگ رہا تھا آئینے نے اس کی گواہی دی تھی اور اس کے لبوں پر ایک مدہم مسکراہٹ سج گئی تھی۔

نمیر نے مقررہ ٹائم پر نہ صرف گاڑی ڈرائیور سمیت بھیجی بلکہ جب وہ اس کے گھر پہنچی تو وہ گیٹ پر ہی اسے ریسیو کرنے کے لیے موجود تھا۔

"واؤ۔ تم تو آج پہچانی نہیں جارہیں۔" کھلنڈرے لڑکوں کی طرح تعریفی انداز میں ہونٹ سکیڑنے پر اس نے نمیر کو گھورا۔

"ارے سچ کہہ رہا ہوں رنگی۔ اتنے دن کہاں چھپا رکھا تھا اپنا یہ رنگ روپ۔" اس کے اپنے انداز بھی آج بڑے اجنبی سے تھے۔ مسلسل سرگوشیوں نے صندل کو اچھا خاصا نروس کردیا تھا۔ وہ جھجکی جھجکی سی اس کے ساتھ اندر بڑھ رہی تھی۔

"تم نے اگر اپنی بکواس بند نہ کی تو میں یہیں سے پلٹ جاؤں گی اور یاد رکھو، ابھی میں نے تمہارے پرپوزل کا جواب نہیں دیا ہے۔"

دبی دبی آواز میں شوخی دکھاتے ہوئے وہ اس کے ساتھ ہی لاؤنج میں داخل ہوئی تھی۔

منال کے سسرال والے تشریف لاچکے تھے اور لاؤنج میں ہی بیٹھے تھے۔ یہ ایک بہت سادہ، پُروقار اور ان فارمل سی گیدرنگ تھی۔

دھیمی باتوں اور ہنسی کی آواز باہر تک آرہی تھی۔

اس کے دہلیز پر قدم رکھتے ہی لاؤنج میں سناٹا چھا گیا۔ وہی سناٹا بل کھا کر دہلیز پر رکے اس کے وجود پر کودا اور اسے پتھر کا بنا گیا۔

سامنے کا منظر، اطراف کے لوگ، نمیر، منال اس کی اپنی تیاری سب جیسے سیاہی میں بدل گیا۔ صرف ایک چہرہ روشن تھا۔

صرف ایک وجود باقی تھا۔ اسے صرف ایک شخص اپنے بالکل سامنے منال کے برابر میں بیٹھا دکھائی دے رہا تھا۔ جو یقیناً "نمیر کا دوست اور منال کا — تھا اور جواب اطمینان سے بیٹھا ہوا نہیں تھا بلکہ خود صندل ہی کی طرح سکتے کی سی کیفیت میں اٹھ کر کھڑا ہوچکا تھا۔

ہاں وہ۔۔۔ وہ تھا۔

وہ نمیر کا گہرا دوست اور اس کی بہن کا ہونے والا شوہر، وہ۔۔۔ وہی تھا۔ جو کبھی صندل کے لیے کیا تھا۔ یہ کوئی اس کے دل سے پوچھتا۔

شاید اس کی زندگی، اس کی پوری ہستی یا اس کی کل کائنات۔۔۔ اس کے دل نے بے اختیار کرلا کر اپنے پر پھڑپھڑائے اور قطرہ قطرہ پگھل کر آنکھوں سے بہہ نکلا۔

تمام حاضرین محفل اور نمیر حیرت زدہ سوالیہ نظروں سے کبھی اسے اور کبھی جبران کو دیکھ رہے تھے۔

معاً" جبران کے ساکت وجود میں جنبش ہوئی اور اس کے لبوں سے ایک نام نکل کر فضاؤں میں بکھر گیا۔

"صندل۔۔۔ تم۔۔۔؟" وہ ایک قدم آگے بڑھا اور

صندل کے وجود کو جیسے کسی نے اپنے طلسم سے آزاد کردیا۔

وہ بے اختیار لبوں پر ہاتھ رکھ کر اپنی آواز دباتی وہیں سے پلٹ گئی۔ تیز قدموں سے روش عبور کرتے اسے اپنے پیچھے دو لوگوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ دونوں آوازیں مانوس تھیں۔ دونوں آوازیں۔ لیکن اسے ان آوازوں سے کوئی سروکار نہ تھا۔

اسے تو یوں لگ رہا تھا۔ جیسے آس پاس کھڑے دیو قامت بنگلوں کا سارا ملبہ اس کے سر پر آن گرا ہے جس کے بوجھ تلے اس کا وجود دب رہا تھا۔ اس کا دم گھٹ رہا تھا اور سانس رکی جارہی تھی۔

☼ ☼ ☼

سمیع نام کے اس شخص کی اہمیت صندل کی زندگی میں روزن زنداں سے کم نہ تھی۔ ڈیڈی کے انتقال اور اس قدر مشکل وقت میں سوتیلے بھائی کی طرف سے دکھائی جانے والی طوطا چشمی بہت دل شکن تھی۔

اس کا نغمانہ کی شکل دیکھنے کو بھی دل نہ چاہتا اور حال یہ تھا کہ چھوٹے سے فلیٹ میں دن رات کا ساتھ تھا۔

جن دنوں اس نے یونیورسٹی اور قندیل نے کالج جوائن کیا۔ وہ دنیا جہان سے بے زار رہتی تھی۔ نہ کوئی دوست تھی۔ نہ کوئی غمگسار۔ سوائے ایک بہن کے۔

وہ اپنا ہر دکھ سکھ اس سے کہہ کر دل کا بوجھ ہلکا کرلیتی۔ مگر ایک حد تک۔ قندیل کے اندر لوگوں کے رویوں کو پرکھنے اور بین السطور چھپی باتوں کے معنی سمجھنے کی صلاحیت نہیں تھی اور اگر تھی بھی تو بہت کم۔

صندل کی مسلسل توجہ اور خیال رکھنے کی عادت نے اسے قدرے لاپروا سا کردیا تھا۔ خود صندل بھی نہیں چاہتی تھی کہ اس کی شخصیت پر بھی حالات کی سنگینی اور سنجیدگی کی چھاپ لگ جائے۔ یونیورسٹی ٹائمنگز کے بعد اس نے صرف اور صرف قندیل کی خواہشات اور معصوم فرمائشوں کو پورا کرنے کی خاطر ٹیوشنز پڑھانی شروع کی تھیں جو کہ بعد میں اس کی بھی ضرورت بنتی چلی گئیں۔

سمیع اس سے دو سال سینئر تھا۔ جس سال اس کا یونیورسٹی میں ایڈمیشن ہوا وہ ماسٹرز کے پریویس ایئر میں تھا۔ خوش شکل، خوش اخلاق اور پڑھائی میں نمایاں پوزیشن لینے والے سمیع جبران کو بھلا اس میں ایسی کون سی خوبی نظر آئی کہ وہ نہ صرف اس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھا بیٹھا بلکہ اسے اس ہاتھ کو تھامنے پر مجبور بھی کردیا۔

یہ اس کی نظروں سے جھلکتی پسندیدگی تھی۔ یا اس کی خود پر دی جانے والی توجہ وہ جو اپنے پورے ڈیپارٹمنٹ میں اپنی محتاط طبیعت کی وجہ سے مشہور تھی۔ سمیع کی دوستی کے سامنے اپنا سب کچھ ہارتی چلی گئی۔

اس نے بھی ہمیشہ ایک سچے، پرخلوص، نیک نیت دوست کی طرح ہر مشکل میں اس کا ساتھ دیا۔ چاہے وہ مشکل مالی ہو یا جذباتی۔ صندل کو ایک سہارے کی ضرورت تھی اور سمیع اس کا سہارا بن گیا۔ پھر ان کی دوستی کب پسندیدگی کی سیڑھیاں چڑھتی، محبت تک جا پہنچی۔ ان دونوں کو شاید خود بھی پتا نہیں چلا۔

ان کے مضامین جدا تھے۔ ڈیپارٹمنٹ الگ۔ مزاج مختلف۔

پھر بھی وہ روز پیدل مارچ کرتا اس سے ملنے اس کی کلاس تک آجاتا اور جس دن نہ آپاتا اس دن فون کرکر کے اس کی جان کھاتا رہتا کہ مجھ سے ملے بغیر گھر نہیں جانا۔

وہ خود کون سا یہ چاہتی تھی کہ وہ یونیورسٹی آئے اور سمیع سے ملے بغیر، اسے دیکھے بغیر ہی چلی جائے۔ دونوں کو ایک دوسرے کا عادی بننے میں زیادہ وقت نہیں لگا۔ صندل کو جہاں اپنی روکھی پھیکی زندگی میں چند ایک رنگ نظر آئے وہیں قندیل کو سنانے کے لیے روز ایک نئی بات، ایک نئی کہانی مل گئی۔

قندیل ہونٹوں پر مسکراہٹ سجائے اسے سنتی رہتی۔ اور وہ روز رات کو سونے سے پہلے اپنی آنکھوں

میں ایک نیا سنہرا خواب سجالیتی۔

یوں لگتا تھا، وہ میلے میں اپنے ماں باپ سے بچھڑی کوئی ننھی بچی تھی۔ جس کو سمیع نے روتا ہوا پاکر محض دل بہلانے کو اپنے کندھوں پر اٹھالیا اور اس کی ساری پریشانی ختم ہوگئی۔ اکیلے پن کا خوف اڑنچھو ہوگیا۔ وہ ہنسنے لگی۔ پھر کھلکھلانے لگی۔ پھر۔ قہقہے لگانے لگی۔

نغمانہ کو اس نے خود ہی سمیع سے متعارف کروایا تھا۔ نغمانہ جو شوہر کی جدائی اور بیٹے کی بے وفائی کی چوٹ کھا کر بیٹیوں کی طرف پلٹنے کی تگ و دو میں تھیں۔ سمیع کے بارے میں جان کر خوش ہوگئیں۔

یقیناً" ان کی بیٹی کو (جسے وہ اب اپنی حقیقی بیٹی سے بڑھ کر سمجھنے لگی تھیں) سمیع وقت پر پرخلوص جیون ساتھی ملنے والا تھا۔ جو اس کی زندگی کے سارے دلدر دور کردیتا۔ غم سمیٹ لیتا اور صندل کو بھی یقیناً"۔

☼ ☼ ☼

"اف اللہ! میں نے تو سوچا ہی نہیں تھا کہ ایسا بھی ہوگا۔" آنسو ایک تواتر سے اس کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے اور سمی کے ہاتھ میں موجود ٹشو اتنی ہی تیزی سے اپنی نمی میں کھوتا جارہا تھا۔

"کچھ تو خیال کرو صنی یار۔ یہ کینٹین ہے۔ یہاں لوگ کھانے پینے آتے ہیں۔ سب کس قدر کوفت سے تمہیں دیکھ رہے ہیں۔"

"تو میں کیا کروں۔" وہ اور بھڑکی۔

"دیکھو صنی۔ مجھے تم سے پہلے یہاں سے پاس آؤٹ کرنا ہی تھا۔ تم اچھی طرح جانتی تھیں۔" صندل نے اپنی سرخ نم اور سوجی ہوئی آنکھیں ترچھی کرکے ایک نظر اسے دیکھا۔

"پھر اب یہ رونا دھونا مچانے کا کیا فائدہ۔" جب سے فائنل سمسٹر کی ڈیٹ آئی تھی۔ وہ صندل کو پچاس بار یہ بات سمجھا چکا تھا صندل کا اپنا موقف تھا۔

"میرا تو یہاں کوئی دوست ہی نہیں ہے۔ میرا ٹائم کیسے گزرے گا اور سب سے بڑی بات یہ کہ مجھے کوئی پرابلم ہوئی تو وہ سولو کیسے ہوگی۔"

"ان ڈیپینڈنٹ ہونا سیکھو۔" کل تک تو اسے وہ یہی سمجھاتا رہا تھا مگر آج۔

"صندل! اپنی ہر مشکل اور پریشانی کے حل کے لیے اللہ سے مدد مانگا کرو۔ بندوں سے نہیں۔" آج نہ صرف اس کی آواز اس کا لہجہ بلکہ اس کے تسلی آمیز انداز تک بدل گئے تھے۔

"اور ہر پل شکر ادا کرتی رہا کرو۔ جس نے تمہیں آج تک اکیلا نہیں چھوڑا وہ یقیناً" آگے بھی نہیں چھوڑے گا۔"

اس نے نرمی سے صندل کا نم اور سرد ہاتھ دبایا تھا۔

☼ ☼ ☼

سمیع کو ماسٹرز کرتے ہی ایک اچھے مقامی اخبار میں نوکری مل گئی۔ کچھ دن لگے صندل کو اس کے بغیر یونیورسٹی میں وقت گزارنا بہت مشکل لگتا۔ حالانکہ سمیع ہر ویک اینڈ پر اس سے ملنے اس کے گھر آجاتا تھا۔

نغمانہ سے اس نے خصوصی اجازت لے رکھی تھی۔ انہیں کوئی اعتراض بھی نہ تھا۔ وہ ہفتے کی شام کو آتا گھنٹہ، کبھی دو گھنٹہ دونوں بہنوں کے ساتھ گزار کر صندل سے ہفتے بھر کی تفصیل، پڑھائی کے متعلق اور یونیورسٹی کے متعلق باتیں کرتا۔ اگر صندل کو کوئی ہیلپ چاہیے ہوتی تو اس کی مدد کرتا۔ پڑھائی میں کوئی مسئلہ ہوتا تو اسے سولو کرکے جاتا۔

غرض یہ کہ اگر اس نے خود کو صندل کا دوست کہا تھا تو ہر لحاظ سے ثابت بھی کیا تھا۔

پھر بھی کبھی کبھی وہ صندل سے اپنی اس خواہش کا اظہار کرتا کہ وہ چاہتا ہے کہ صندل کو اگر کوئی مسئلہ ہوتا ہے۔ خاص طور پر پڑھائی میں تو وہ دوسرے کلاس فیلوز اور پروفیسرز سے مل کر اس کو اپنے طور پر حل کرنے کی کوشش بھی کیا کرے۔ تاکہ مکمل طور پر سمیع پر انحصار کرنے کا عمل رک جائے۔ لیکن صندل۔

وہ ذرا ذرا سے مسئلے کے لیے ویک اینڈ کا انتظار کرتی

اور سمیع بھی بنا ماتھے پر ایک بھی شکن لائے حاضر خدمت رہتا۔

یہی وہ دن تھے جب اس کی شخصیت کو دیکھتے ہوئے قندیل اس کے بارے میں مختلف انداز میں سوچنے لگی۔

کچھ سمیع کی شخصیت جاذب نظر تھی اور کچھ وہ خود کو ایجوکیشن میں پڑھنے کی وجہ سے ذرا بے باک سی ہو گئی تھی۔

سمیع صندل کا دوست تھا اور شاید اس کی پہلی محبت بھی۔ اور...

قندیل اگر اس بات سے واقف بھی تھی تو رفتہ رفتہ سمیع کی شخصیت سے اتنی متاثر ہو گئی کہ اس بات کو یکسر بھلا بیٹھی کہ اس کی اپنی سگی بہن کے بھی سمیع کے حوالے سے کچھ خواب اور خواہشیں ہیں۔ اس نے از خود فرض کر لیا کہ۔

"اگر میں نے صنی آپی کے سامنے اپنے دل کی خواہش رکھی تو وہ میرے حق میں یقیناً" دست بردار ہو جائیں گی۔ وہ مجھ سے اتنا پیار کرتی ہیں کہ میری کوئی بات رد کر ہی نہیں سکتیں۔ یہ تو پھر میرے دل کی خواہش کا سوال ہے۔ اور ہے بھی پوری زندگی پر محیط۔"

قندیل کو اتنا چاہنے۔ اتنا خیال رکھنے۔ اتنی محبت دینے اور پورے ارتکاز کے ساتھ اس کی تربیت پر اتنی توجہ دینے کے باوجود اس کی سوچ میں یہ کیسی کجی باقی رہ گئی۔

کب۔ کیوں۔ اور کیسے۔ صندل کو بھی خبر ہو ہی نہ سکی۔

سمیع تو بلاشبہ اسے صندل کے حوالے سے اپنی چھوٹی بہن ہی سمجھتا تھا مگر اس نے کب سمیع کو اپنا بھائی سمجھنا چھوڑ کر اسے اور ہی زاویے سے دیکھنا شروع کر دیا۔ سمیع کو تو کیا، خود صندل کو بھی کبھی پتا نہیں چلا اور قندیل اسے چپکے چپکے دل میں بسائے اس کے حوالے سے بالکل اسی طرح سوچنے لگی، جیسے صندل سوچتی تھی۔

"اتنا لونگ۔ اتنا کیئرنگ۔"

وہ تصور کی آنکھ سے 'خود کو اس کے سنگ ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر دور تک چلتا ہوا دیکھتی۔ اور اپنے خیالوں سے خود ہی چونک چونک جاتی۔

اس نے اپنی مرضی اور پسند کے راستے پر قدم رکھ دیے تھے۔ اور چلنا شروع کر دیا تھا۔ یہ سوچے سمجھے اور جانے بغیر کہ اس کا انجام کیا ہوگا۔

کسی دوسرے کی منزل کو اپنا بنانے اور کسی اور کے خوابوں کو نوچ کر اپنی آنکھوں میں سجا لینے سے ہمیشہ تعبیر مل نہیں جاتی۔ کبھی کبھی انسان اپنے بہت قریبی عزیز، کسی بہت پیارے کی نظروں میں گر بھی جاتا ہے۔

لیکن وہ کسی اور کا سوچتی تب نا۔ اس نے سمیع کو اپنے حوالے سے سوچا اور دیکھا اور صندل کو بھی۔ اور پھر مطمئن ہو گئی کہ "صنی آپی مجھے انکار نہیں کر سکتیں۔"

اس نے ان دونوں کو ایک دوسرے کے حوالے سے دیکھنے، سوچنے، سمجھنے کی نہ ضرورت محسوس کی۔ نہ سوچا۔ اور شاید یہی اس کی زندگی کی سب سے بڑی غلطی تھی۔

☆ ☆ ☆

"میں ماسٹرز نہیں کر رہی ہوں۔ آنرز ہو جائے تو بس۔ کافی ہے۔"

"کیوں۔ کیا مطلب ہے؟"

اسے معلوم تھا۔ سمیع اس کی بات سن کر اچھل ہی پڑے گا۔ اور وہ اچھل پڑا تھا۔

"بس ناں۔ تم نے بتایا تھا ناں کہ تمہارے آفس میں کوئی ویکنسی ہے۔"

"تو۔" سمیع نے نا سمجھی سے اس کی طرف دیکھا۔

"صندل مجھے دیکھو، جسٹ شٹ اپ۔ اوکے۔"

"وہ سمیع پلیز، تمہیں نہیں پتا میں۔ میں بہت پریشان ہوں آج کل۔"

"کیوں پریشان ہو۔ اور اگر ہو بھی تو شیئر کرو۔ سولو کرو، حل نکالو۔ یا بس ہر مشکل کا حل ریت میں سر

چھپا لینا ہے۔"

"میں کون سا بھاگ رہی ہوں۔ اور اگر بھاگ بھی رہی ہوں تو شاید تمہاری طرف۔ تم سے قریب ہونے کے لیے۔" اس نے ایک تھکی تھکی گہری سانس بھری۔

"مجھے بتاؤ تو سہی۔ پرابلم کیا ہے آخر۔ اور یہ تمہیں مجھ سے دوری کا خیال کیوں ستانے لگا۔"

"قندیل بہت بدتمیز ہوتی جا رہی ہے۔ میں اسے کانفیڈینٹ کرنا چاہتی تھی اور وہ بہت بولڈ ہو گئی ہے۔" اس نے سمیع کو وہ بات بتا دی۔ جس نے اسے کئی دن سے پریشان کر رکھا تھا۔

"میں نے تم سے کہا تھا۔ کو ایجوکیشن میں پڑھنے کی ابھی اس کی ایج نہیں۔ اس ایج میں زیادہ تر لڑکے لڑکیاں پڑھائی کے بجائے دوسرے فضول چکروں میں پڑ جاتے ہیں۔"

"مگر میں اس کی اسٹڈیز کی وجہ سے نہیں۔ اس کے فرینڈز سرکل کے بارے میں ٹینس ہوں۔ اس کے فرینڈز میں تیزی سے لڑکوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اور مجھے یہ بات پسند نہیں۔"

"نہیں پسند نہیں تو قندیل سے کہو ناں۔ تم اس کا اتنا خیال کرتی ہو۔ اسے بھی تمہاری بات کی پروا ہونی چاہیے۔"

"یہی تو پرابلم ہے۔ وہ کہتی ہے۔ وہ اس کے فرینڈز نہیں۔ جسٹ کلاس فیلوز ہیں۔ اور اسٹڈیز کے لیے سب سے ہیلو ہائے رکھنی پڑتی ہے۔"

"چلو تم سے زیادہ عقل مند تو تمہاری بہن نکلی۔ کم از کم تمہاری طرح کسی ایک بندے کی دم پکڑ کر تو نہیں بیٹھی۔"

"مجھے پتا تھا تم یہی کہو گے۔ سمیع! وہ چھوٹی ہے۔ اسے اتنی سمجھ نہیں کہ کون صحیح ہے اور کون غلط۔" وہ جھنجلا سی گئی۔

"میں بات کروں اس سے؟ سمجھاؤں اسے۔ تم یہ چاہتی ہو۔"

"ہاں۔"

"اوکے میں آؤں گا۔ پھر بات کریں گے اس سے۔ مل کر سامنے بیٹھ کر اوکے۔"

"اوکے؟" اس نے ایک اطمینان بھری سانس خارج کی۔

"ویسے مجھے معلوم نہیں تھا کہ موصوف کی دم بھی ہے۔" ہمیشہ کی طرح اپنی ٹینشن سمیع کے حوالے کر کے وہ ہلکی ہو گئی تھی۔

"ویری فنی!" وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

☆ ☆ ☆

اگلے روز وہ حسب وعدہ قندیل سے بات کرنے کے لیے موجود تھا۔

صندل اس کے لیے ٹھیک ہی پریشان تھی۔ وہ نہ صرف بدتمیزی کی حد تک منہ پھٹ ہو چکی تھی بلکہ بدلحاظی میں بھی ہر توقع سے ایک قدم آگے ہی تھی۔

پہلے تو کچھ دیر وہ پیشانی پر بل ڈالے بمشکل نگاہیں جھکائے سمیع کی بات سنتی رہی۔ پھر درمیان میں ہی تنک کر بول اٹھی۔

"آپ کہنا کیا چاہ رہے ہیں۔ کیا آپ مجھے کوئی لوز کریکٹر لڑکی سمجھتے ہیں۔ جو لڑکوں سے ٹائم پاس کرنے کے لیے دوستیاں کرتی پھرتی ہے۔" اس کا تخاطب براہ راست سمیع تھا۔

نغمانہ، صندل اور وہ خود۔ کمرے میں موجود تینوں ہی۔ نفوس اس طرز تخاطب پر بھونچکا رہ گئے۔ سمیع ایک دم خاموش سا ہو گیا۔

"کینڈی۔ کیسے بات کر رہی ہو تم۔"

"جیسے کرنی چاہیے اور جیسے۔ اور آخر مجھے کوئی وضاحت دے گا کہ یہ بات میرے ساتھ کیا سوچ کر کی گئی ہے۔"

"میرا مقصد تمہارا دل دکھانا یا تمہیں نیچا دکھانا نہیں۔ مگر ابھی تم بہت چھوٹی اور نا سمجھ ہو قندیل! آج کل ماحول بہت خراب ہے۔ میں صرف یہ کہہ رہا تھا کہ تمہاری آپی کو تمہارا حد سے زیادہ بڑھا ہوا فرینڈز سرکل ٹھیک نہیں لگتا۔"

سمیع نے بہت ٹھنڈے لہجے میں معاملہ سنبھالنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن قندیل نے ایک بار پھر اس کی بات کاٹ دی اور اس کا لہجہ سمیع سے زیادہ سرد تھا۔

"آپ مجھ سے یہ بات کرنے والے ہوتے کون ہیں۔"

"قندیل!" اب کی بار نعمانہ تنبیہاً بول پڑیں۔ ورنہ صندل نے انہیں کبھی اتنی اہمیت نہیں دی تھی۔ کہ وہ دونوں بہنوں کے کسی بھی ذاتی معاملے میں بولیں تو قطعیکہ صندل خود ہی انہیں کسی بات میں شامل نہ کرے۔

"چھوٹے بڑے سے بات کرنے کی تمیز بھول گئی ہو کیا۔"

"سے میں نے کہا ہے تم سے بات کرنے کے لیے۔" صندل بھی تیزی سے بولی۔

"اور اگر سمجھو تو جیسے صندل کی تم چھوٹی بہن ہو۔ ویسے ہی میری بھی۔"

"جی نہیں۔" اس نے پوری بات سننے کی بھی ضرورت محسوس نہیں کی۔ "میں صنی آپی کی بہن ضرور ہوں۔ لیکن مزید کسی کی نہیں۔ مجھے منہ بولے بہن بھائیوں کے ڈھیر لگانے کا کوئی شوق نہیں۔"

"شٹ اپ قندیل۔"

"ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہوں میں آپی!" وہ ایک دم ہی اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

"اور تم خود کو دیکھو آپی! تم کو بھی شرم نہیں آئی۔ مجھ سے یہ بات کرتے ہوئے۔ خود تو تم ہر ہفتے ان کو اس قدر پابندی سے یہاں بلاتی ہو۔ باتیں کرتی ہو اور کیا پتا باہر بھی ملتی ہو۔ مجھ پر پھر یہ پابندیاں کیوں۔ میں کون سا کسی سے ملتی ہوں یا گھر بلاتی ہوں۔ اور یہ لگتے کیا ہیں میرے یا تمہارے، جو اتنے خلوص سے مجھے زمانے کی اونچ نیچ سمجھانے میرے گھر چلے آئے۔ ہیں کون یہ صاحب۔ تمہارے بوائے فرینڈ۔"

اس نے بد تمیزی اور بے ہودگی کی حد کر دی۔

"قندیل۔" نعمانہ کی آواز کسی چیخ سے مشابہ تھی۔ اگلے ہی لمحے وہ آگے بڑھیں اور دائیں ہاتھ سے اس کے منہ پر تھپڑ دے مارا۔

"آپ۔ آپ نے مجھے مارا۔ ان کے لیے۔"

چند لمحوں کے لیے کمرے میں سکوت چھایا۔ پھر قندیل جیسے بپھر گئی۔

"آپ کون ہوتی ہیں مجھ پر ہاتھ اٹھانے والی۔"

اس کی آواز اس قدر بلند تھی کہ پھٹ سی گئی تھی۔

"کوئی رشتہ نہیں میرا نہ آپ سے نہ ان سے۔"

اس نے سمیع کی طرف اشارہ کیا۔

"اور رہی بھائی سمجھنے کی بات۔ تو جسے اپنا بھائی سمجھا اور کہا تھا میں نے اس کی اصلیت دیکھ لی ہے میں نے اچھی طرح۔ اب مجھے کسی کو بھائی بنانے کا کوئی شوق نہیں ہے۔ کوئی بھائی وائی نہیں ہے میرا۔ کان کھول کر سن لیں آپ اچھی طرح۔ اور آپ بھی۔"

دھونکنی کی طرح چلتی سانس کے ساتھ اس کے آنسو ابل رہے تھے۔ مگر آواز کی سختی اور بلندی اپنی جگہ تھی۔

سمیع کی نگاہیں جھک چکی تھیں۔ نعمانہ غصے سے بھری ہوئی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ اور صندل۔ اس کی حالت کاٹو تو بدن میں لہو نہ ہو۔ جیسی تھی۔

چند لمحے وہ قہر برساتی نگاہوں سے تینوں کو گھورتی رہی۔ پھر کمرے میں جا کر زوردار آواز سے دروازہ دے مارا۔

صندل اور نعمانہ اپنی جگہ سے حرکت نہ کر سکیں۔ سمیع خاموشی سے بنا کچھ کہے باہر نکل گیا۔ کہنے کے لیے مزید الفاظ باقی بچے تھے۔ نہ تینوں میں سے کسی ایک میں بھی ہمت۔

☆ ☆ ☆

پورا ہفتہ گزرا، ویک اینڈ آیا اور نہایت دبے پاؤں اداسی کی چادر میں لپٹا ہوا سر جھکائے گزر گیا۔ صندل اس ہفتے میں صرف دو دن ضروری کام کے لیے یونیورسٹی گئی۔ قندیل البتہ پابندی سے کالج جاتی رہی۔ صندل کو امید تھی کہ شاید ایک دو دن گزریں تو وہ

اپنے رویے کی معافی مانگے گی مگر ایسا کچھ نہ ہوا۔ اس بات سے اس کے دل کو اور بھی ٹھیس پہنچی۔ سمیع کا بھی اس دن کے بعد نہ کوئی فون آیا نہ میسج۔ اور صندل خود میں اتنی ہمت نہیں پاتی تھی کہ خود سے اس سے بات کرتی۔ ہفتے بھر سے رابطہ منقطع تھا۔ اور ایسا پہلی بار ہی ہوا تھا۔ وہ اس کا سراسر قصور وار قندیل کو ٹھہراتی تھی۔ مگر قندیل کو تو کسی کی پروا ہی نہ تھی۔

دوسری طرف قندیل تھی۔ جو اپنے تئیں یہ سوچ کر مطمئن تھی کہ اچھا ہوا اس نے جلد 'خود ہی یہ بات واضح کر دی کہ اگر کوئی اسے اور سمیع کو بہن بھائی کے حوالے سے دیکھتا بھی ہے۔ تو اپنی غلط فہمی دور کر لے۔ وہ جان بوجھ کر یہ حکمت عملی اختیار کر کے بیٹھی تھی۔ جو مستقبل میں سمیع کے حوالے سے اس کے لیے آسانی پیدا کرے۔

گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ سمیع کو سوچتے ہوئے اس کے خیالات میں پختگی آتی جا رہی تھی۔ اسے یہ اطمینان بھی تھا کہ صندل کو وہ جب چاہے گی سوری کر کے فوراً "منا لے گی۔ مگر اس نے سوچ رکھا تھا کہ ساتھ ہی ساتھ سمیع کے حوالے سے اپنے خیالات اور پسندیدگی بھی اپنی بہن پر پوری طرح واضح کر دے گی۔

چونکہ صندل خود بھی سمیع میں انٹرسٹڈ تھی۔ لہٰذا اس تک کس طرح 'اور کس الفاظ میں اپنی پسندیدگی پہنچائے کہ صندل کا دل بھلے ہی ٹوٹے مگر وہ اس کے حق میں اپنی پسند سے دستبردار ہو جائے۔ اور ایک بار اگر صندل راضی ہو جاتی تو قندیل کے لیے سمیع کو ہموار کرنے کی ذمہ داری وہ از خود اپنے سر لے لیتی۔ اس بات کا بھی قندیل کو بدرجہ اتم یقین تھا۔

اس کو صندل سے بات کرنے میں اور اس سے اپنے گزشتہ رویے کی معافی مانگنے میں اسی لیے دیر لگ رہی تھی۔ اس نے ایک بار بھی اپنی خود غرضی کے بارے میں غیر جانب دار ہو کر نہیں سوچا تھا۔ نہ اسے اپنی سوچ پر شرمندگی تھی۔ نہ بڑی بہن سے اس طرح کی بات کرنے میں کوئی جھجک۔

"بھئی وہ ہے ہی اتنا ڈیشنگ کہ کسی بھی لڑکی کو بھی پسند آ سکتا ہے۔ اب اگر اس پر میرا دل آ گیا تو اس میں میرا کیا قصور۔"

اس نے دو تین بار اکیلے میں اور اپنے دوستوں کے درمیان بیٹھ کر برملا اپنی پسند اور خیالات کا اظہار کیا۔

"اپنے سرکل میں کسی ایک کی بھی پرسنالٹی اتنی گریس فل اور ڈیسنٹ نہیں یار 'یہاں تو سب ہی الٹے سیدھے فیشن کر کے اپنے آپ کو ہیرو بنانے کی کوشش میں اور کارٹون ہی لگ رہے ہوتے ہیں۔"

وہ بلا جھجک اپنے خیالات کا اظہار کرتی۔ اس کی شخصیت کی اس بولڈنیس کو بڑھانے میں اس کے ساتھ پڑھنے والی ان لڑکیوں کا بہت ہاتھ تھا جو پیسے والے طبقے سے تعلق رکھتی تھیں۔ اپر مڈل کلاس کی وہ فطری خود اعتمادی جو ان لڑکے لڑکیوں میں جھلکتی تھی۔ اب قندیل کے مزاج اور شخصیت کا حصہ بنتی جا رہی تھی۔

کچھ قدرت نے اسے نوازا بھی ذرا کھلا تھا۔ وہ صندل کے مقابلے میں زیادہ خوبصورت دکھتی تھی۔ اور پھر اوپر سے اس کے حسن کے قصیدے پڑھنے والے اس کے کلاس فیلوز۔ اس کے دل و ذہن میں یقین جڑ پکڑنے لگا کہ وہ مسترد ہونے کے لیے پیدا ہی نہیں ہوئی۔ اور کچھ ہی عرصے میں ذرا سی محنت کے بعد وہ یقیناً" سمیع کو بھی اپنی جانب راغب کر ہی لے گی۔ گو کہ ابھی ذرا مشکل لگتا تھا۔ مگر ناممکن تو نہیں تھا نال۔

ویک اینڈ کے بعد سمیع کی سالگرہ تھی۔ جس کا علم صرف صندل کو ہی تھا۔ قندیل کی بے حسی سے ہار مان کر اس نے خود ہی سمیع کی ناراضی دور کرنے کا ارادہ کر لیا۔ اور اس کی سالگرہ والے دن بہت سوچ سمجھ کر اس کے آفس فون کیا۔ اس کے پرسنل نمبر پر فون کرنے کی یوں ہمت نہ ہوئی کہ اس کا ڈر تھا۔ ہو سکتا ہے سمیع اپنی ناراضی کے باعث فون اٹینڈ ہی نہ کرے۔

"وہ دو دن سے آفس نہیں آئے۔ ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" آفس سے موصول ہونے والی

اطلاع نے اسے پریشان کردیا۔

"پتہ نہیں کتنی طبیعت خراب ہے۔ میں نے پہلے رابطہ کیوں نہیں کیا۔ اف!" شرمندگی کے احساس نے اسے برے سے گھیر لیا۔ اور شام سے ذرا پہلے وہ حسب معمول نغمانہ کو محض اطلاع دے کر اس کے گھر جانے کے ارادے سے نکلی۔

یہ پہلی بار تھا کہ وہ اس کے گھر جارہی تھی۔ اس سے پہلے ہمیشہ سمیع ہی ان کے گھر آتا تھا۔ اول تو وہ اسے بلاتا ہی نہ تھا۔ اور کبھی اپنی خواہش کا اظہار کیا بھی تو ساتھ ہی منع بھی کردیا۔ کیونکہ اس کی والدہ اور بہن' اس کے ماموں کے پاس اسلام آباد میں ہوتی تھیں۔ وہ پہلے تعلیم اور بعد میں بہ سلسلہ روزگار اکیلا ہی کراچی میں رہتا تھا۔

اس کا فلیٹ گھر سے زیادہ دور نہیں تھا۔ صندل کو ڈھونڈنے میں مشکل نہیں ہوئی۔

بے تحاشا دھڑکتے دل کے ساتھ اس نے کال بیل پر انگلی رکھی۔ ذرا دیر کے انتظار کے بعد ہی دروازہ کھل گیا۔ وہ سامنے ہی کھڑا تھا۔ حیران پریشان سا۔

"صندل! تم یہاں۔" پھر یہ حیرانی' خوشی میں بدل گئی۔ وہ ایک دم ہی ایک طرف ہٹ گیا۔

"آؤ آؤ۔ اندر آؤ ناں۔"

صندل خوامخواہ ہی ڈر رہی تھی سمیع کا انداز اتنا پرجوش اور والہانہ تھا کہ وہ جھینپ سی گئی۔ اور جب اس نے ہاتھ میں پکڑا کیک اور پھول اس کی طرف بڑھائے تو وہ ایک دم سے ہنس پڑا۔

"واٹ آپلیزنٹ سرپرائز یار۔ تم نے مجھے خوش کم اور حیران زیادہ کیا ہے آج۔"

"کیوں۔"

"کیونکہ میں سمجھتا تھا تم اکیلی یونی کے علاوہ کہیں نہیں جاسکتیں۔" اس نے سامنے دکھائی دیتے دو میں سے ایک کمرے میں داخل ہو کر لائٹس آن کیں اور سامنے والی کھڑکی کے پردے سمیٹے۔ کمرہ روشنی سے بھر گیا۔ وہ ڈرائنگ روم تھا۔ صندل دائیں بائیں ستائشی نظروں سے دیکھتی ہوئی بیٹھ گئی۔

"کیا کھاؤ گی۔ کیا پیو گی۔ جلدی سے بتاؤ۔"

"کچھ نہیں میں بس۔" اس سے بات بتائی نہیں گئی۔

"تم سوچ نہیں سکتیں' میں کتنا خوش ہوں آج یہاں تمہیں دیکھ کر۔"

چائے کے ساتھ دوسرے لوازمات منٹوں میں اس نے صندل کے منع کرنے کے باوجود ٹیبل پر ڈھیر کردیے۔ اور خود صوفے پر اس سے ذرا فاصلہ رکھ کر بیٹھے' پرشوق نگاہوں سے اسے دیکھتا ہوا بولا۔ صندل ایک بار پھر جھینپ گئی۔

اس کے انداز پکار پکار کر کہہ رہے تھے کہ وہ اس کے آنے سے کس قدر خوش ہوا ہے۔

"سمیع!" اس نے چائے کا کپ اپنی طرف بڑھاتا اس کا ہاتھ روک لیا۔

"تم۔" اس کی نظریں جھک گئیں۔ بات مکمل نہیں کی گئی۔

"میں ناراض نہیں ہوں صنی۔ بالکل بھی نہیں۔" اس کا لہجہ کتنا نرم اور انداز کتنا مہربان تھا۔ اس کی شفاف آنکھیں صندل کے چہرے کو کتنی شناسی سے دیکھ رہی تھیں۔ صندل نے ایک ذرا نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا اور۔ اور پھر جانے کیا ہوا۔ اس کی اپنی آنکھیں بھر آئیں۔

"میں بہت شرمندہ ہوں سمیع اور میں تم سے کینڈی کی طرف سے معافی مانگتی ہوں' پلیز تم۔"

اس کے حلق میں آنسو پھنس گئے۔ آواز کا راستہ بند ہو گیا۔

خود سمیع بھی چند لمحوں کے لیے چپ سا رہ گیا۔ بات یقیناً "اتنی معمولی نہ تھی۔ کہ بغیر کوشش کے دب جاتی۔ مگر' صندل اس طرح اس کے سامنے روئے اور اس بات کی معافی مانگے جو اس نے کی ہی نہیں۔ یہ اسے کسی صورت گوارا نہیں تھا۔

"میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ قندیل کبھی اس طرح اپنی لمٹس کراس کرے گی۔ اگر مجھے ذرا بھی اندازہ ہوتا تو۔ تو میں کبھی تمہیں اس سے بات کرنے

کے لیے نہ کہتی۔" اس کا گلا رندھ گیا۔ "اوپر سے وہ اپنی حرکت پر شرمندہ بھی نہیں۔"

"جو ہو گیا اسے بھول جاؤ۔ وہ ابھی بچی ہے' نادان ہے' سمجھ جائے گی۔ تم کیوں رو رہی ہو۔ تمہاری کوئی غلطی نہیں۔ اور اگر ہوتی بھی تب بھی میں تم سے ناراض ہونے کے بجائے اسی وقت بول کر بات کلیئر کرلیتا۔ تم جانتی تو ہو مجھے۔ پلیز صنی یار۔ بند کرو رونا۔"

اس نے دونوں ہاتھوں سے صندل کا روتا ہوا چہرہ اوپر کیا۔ اور دل اور ایمان ایک لمحے کے لیے ڈول ڈول گیا۔

صندل اس لمحے کتنی پرکشش لگ رہی تھی۔ کتنی معصوم اور کتنی اپنی اپنی۔ اس نے خود پر بے اختیار کھوتے ہوئے ہاتھوں کے پیالے میں اس کا چہرہ بھر لیا۔ نم چہرہ۔ کپکپاتے لب اور جڑی جڑی پلکیں۔ لرزتی کانپتی۔

"صندل۔ صندل! مت روؤ میری جان۔"

احساس کی بے اختیاری لفظوں اور لہجے میں گھلی تو وہ روتے روتے یکدم چونک اٹھی۔ اس نے ذرا کی ذرا نگاہ اٹھا کے اپنے بالکل قریب سمیع کو دیکھا۔ ایک لمحے کی بات تھی۔ مگر وہ لمحہ اس کے ہاتھ سے پھسل گیا۔ اور جب تک وہ چھٹی حس کی خبرداری میں آتی۔ سمیع سے ایک بہت انجان غلطی ہوئی۔

"آئی لو یو صندل۔ آئی لو یو سو مچ۔" دھیمے گمبھیر لہجے میں بولتا وہ اتنے ہی دھیمے انداز میں جسارت کر گیا۔

"س۔ سمیع۔" وہ بجلی کی سی تیزی سے تڑپ کر اس سے دور جا کھڑی ہوئی۔ وہ بھی ہڑبڑا کے اٹھ کر کھڑا ہوا اور ایک قدم اس کی طرف بڑھا۔ صندل کا سانس چڑھ گیا۔ آنکھیں باہر ابل آئیں۔

"آئی ایم سوری۔ آئی ایم سوری۔ میرا کوئی غلط ارادہ نہیں تھا۔ بس پتا نہیں کیسے۔"

صورت حال کی نزاکت نے فوراً" ہی اسے اپنی غلطی کا احساس بھی دلادیا۔ اس نے دونوں ہاتھ اٹھا کر جیسے صندل کو فوری طور پر خوف کے اس احساس سے نکالنا چاہا۔ جو عدم تحفظ کی تصویر بن کر اس کے وجود پر چھا رہا تھا۔

صندل نے بے یقینی سے اسے دیکھا اور کپکپاتے ہاتھوں سے اپنے چہرے پر پھوٹ نکلنے والا پسینہ صاف کیا۔ پھر اس کے بے حد نزدیک صوفے پر رکھے اپنے ہینڈ بیگ کو۔

"صندل پلیز۔ مجھے غلط مت سمجھنا۔ میرا کوئی برا ارادہ نہیں۔ یہ بس پتا نہیں کیسے۔" اس نے بات ادھوری چھوڑ کر اس کی نظروں کا تعاقب کیا۔ پھر اس کا ہینڈ بیگ اٹھا کر اس کی طرف بڑھادیا۔

اس کی آدھی ادھوری بے ربط بات سنے بغیر اپنا بیگ جھپٹ کر وہ جیسے اڑتی ہوئی بیرونی دروازے سے باہر نکل گئی۔

آدھی ادھوری صفائی' سمیع کے لبوں تلے دبی رہ گئی۔

اس نے سخت بے بسی کے عالم میں صندل کو اپنے فلیٹ سے نکلتے دیکھا۔ اور دونوں ہاتھوں میں سر تھام کر صوفے پر گر گیا۔

☼ ☼ ☼

رات آدھی سے زیادہ بیت چکی تھی۔ مگر اس کی آنکھوں میں دور دور تک نیند کا شائبہ نہیں تھا۔

آج کتنے دن کے بعد قندیل نے اس کی بکھری بکھری حالت کو بطور خاص نوٹ کرکے اس سے معافی مانگی تھی۔ مگر وہ۔

جو پچھلے کئی دن سے اس سے اس اقدام کی توقع کررہی تھی۔ اس وقت یوں تھی جیسے اسے نہ کچھ سنائی دے رہا ہو نہ دکھائی دے رہا ہو۔ بس خالی خالی نظریں اور خاموش سے لب۔

اس وقت بھی قندیل نے نیند میں سے اٹھ کر اس کی بے چینی دیکھی تو وہ نہیں سکی۔ وہ گم صم سی اپنے بستر پر پالتی مارے بیٹھی تھی۔ اور گھڑی رات کے تین بجا رہی تھی۔

"کیا بات ہے آپی! کیا ہوا ہے۔ جب سے سمیع کے پاس سے آئی ہو۔ اتنی ہی گم صم اور خاموش ہو۔ کیا بہت ناراض ہیں وہ۔"

وہ چاہتے ہوئے بھی بہن کی حالت کو نظر انداز نہیں کر سکی۔

"آپی!" جواب نہ ملنے پر اس نے صندل کا کندھا ہلایا۔ وہ چونک کر روز سی گئی۔

"کیا ہوا آپی۔ یہ میں ہوں کینڈی۔ کیا بات ہے۔ سمیع نے کچھ غلط کہہ دیا کیا۔"

وہ فکر اور ٹٹولتی نظروں سے صندل کو کھوجنے کی کوشش میں لگی تھی۔ اور صندل کو بھی جیسے ایک کندھا درکار تھا۔

وہ بالکل اچانک ہی اس کے کندھے پر سر رکھ کر سسک پڑی۔ قندیل بری طرح گھبرا گئی۔ اور اسے جھنجوڑ کر رکھ دیا۔

"پلیز بتاؤ آپی۔ ورنہ میں ماما کو بلا لوں گی۔ کیا ہوا ہے۔ کیا کیا ہے اس نے تمہارے ساتھ۔ کوئی غلط حرکت تو نہیں کی۔"

اندیشے اور وسوسے، بدگمانی کی بدترین حد کو چھو رہے تھے۔ جب صندل نے دھیرے سے نفی میں سر ہلایا تو اس کی جان میں جان آئی۔

"پھر۔ پھر کیا ہوا ہے۔ بتاؤ ناں آخر کیا ہوا ہے۔"

اس نے بمشکل اپنی آواز کو سرگوشی کی صورت ڈھالا تھا۔

"سمیع نے میرا اعتبار توڑ دیا قندیل۔ اس نے خود کو میری نظروں سے خود ہی گرا ڈالا۔"

بہت مشکل سے سسکتے ہوئے اس کے لبوں سے نکلا۔ اور پھر دھیرے دھیرے وہ اسے آج شام کی تفصیلات بتاتی چلی گئی۔

اسے اپنے فلیٹ پر دیکھ کر سمیع کی بے اختیار خوشی، حیرت۔ اس کی خاطر مدارت، صندل کی معافی، سمیع کی اعلا ظرفی۔ اور پھر۔ پھر

اس کی وہ حرکت۔ جس نے صندل سمیت قندیل کو بھی حیرت و بے یقینی کی پاتال میں دھکیل دیا۔

وہ صندل کا سر اپنی گود میں رکھ کر دھیرے دھیرے تھپکنے لگی۔ بنا کچھ کہے۔ کیونکہ جانتی تھی۔ اس وقت کسی بھی قسم کی بات اس کی تکلیف کا ازالہ کرنے کے بجائے اس میں اضافہ ہی کرے گی۔

"صبح بات کریں گے۔ ابھی سو جاؤ۔ شاباش۔" اس نے بالکل اسی طرح صندل کو پیار سے پچکارا جیسے صندل اسے پچکارتی تھی۔ ذرا دیر بعد صندل پرسکون ہو چکی تھی۔

اس نے صندل کا سر تکیے پر رکھا۔ پھر متلاشی نظروں سے ارد گرد دیکھا اور اپنی مطلوبہ چیز اٹھائی۔

یہ صندل کا ہینڈ بیگ تھا۔ جو اس کی واپسی کے بعد سے شاید ابھی تک کھولا بھی نہیں گیا تھا۔ اس نے بہت احتیاط اور دھیرے سے صندل کا سیل فون نکالا۔

حسب توقع اس میں سمیع کی طرف سے بھیجے گئے پیغامات کا ڈھیر تھا۔ جس میں پے در پے معافی کی درخواستیں تھیں۔ اپنی بے اختیاری کی وضاحتیں، صفائیاں، صندل نے ان میسجز کو ابھی تک کھولا نہیں تھا تو زحمتی کیا۔

قندیل کا دماغ نئے ٹریک پر چل نکلا۔ وہ ایک ایک کر کے ان میسجز کو پڑھنے کے بعد ڈیلیٹ کرنے لگی۔

اس کے دل میں کیا تھا کوئی نہیں جان سکتا تھا ہاں مگر کوئی دیکھتا تو اس کے لبوں پر کھیلتی پراسرار مسکراہٹ کے پس پردہ چھپی کسی سازش کا سراغ ضرور پا جاتا۔

☼ ☼ ☼

وہ اس سے ناراض نہیں تھی۔ لیکن راضی بھی نہیں تھی۔

سمیع مسلسل اسے کال کرتا رہا۔ میسج کرتا رہا۔ اور وہ کتنے ہی دن خاموشی سے اس کے میسجز پڑھتی رہی۔ کال اٹینڈ کرتی بھی تو ہوں ہاں سے زیادہ بات نہ کرتی۔

سمیع واقعی میں شرمندہ تھا۔

"اس دن جو ہوا، سراسر بے اختیاری میں ہو گیا۔ صندل پلیز یار کب تک ناراض رہو گی۔"

وہ روز اسے فون کر کے ایک ہی بات کرتا اور صندل۔

اس کے دل میں جو سمیع کے لیے ڈھیروں ڈھیر عزت و محبت تھی۔ بھلا وہ اس ڈھیر میں ایک چھوٹی سی بدگمانی کو کب تک جگہ دیتی۔ حالانکہ وہ کوئی بدگمانی نہیں ایک جیتی جاگتی حقیقت تھی۔ مگر یہ جو دل ہے ناں۔

"چلو ہو گئی غلطی۔" پھر کی گردان کرنے لگا۔ صندل کو ہار ماننی ہی پڑی۔ غلطی تو بہرحال اس کی بھی تھی۔

قندیل کے تاثرات اپنی جگہ تھے۔ وہ جب بھی صندل کو سمیع سے فون پر بات کرتے سنتی یا اس کا کوئی میسج پڑھ کر کھویا دیکھتی تو اور زیادہ شد و مد سے اس کی برائی کرتی۔ اور اپنی باتوں سے ثابت کرنے کی کوشش کرتی کہ سمیع کی حرکت بالکل ناقابل معافی ہے۔

لیکن ایسا کرتے ہوئے وہ یہ بھول گئی کہ صندل اگر سمیع سے بدگمان ہو گئی۔ تو جو شخص وہ اپنے لیے مناسب نہ سمجھے گی۔ اسے قندیل کے لیے کیسے مناسب خیال کرے گی۔ لیکن پھر یوں ہوا کہ صندل اور سمیع کی ناراضی ختم ہو گئی۔

جس دن صندل نے خوشی خوشی قندیل کو یہ خبر سنائی، قندیل اپنا دل مسوس کر رہ گئی۔ اس کے پاس اور کوئی چارہ نہ تھا سوائے اس کے کہ صندل کی خوشی میں اپنے آپ کو خوش ظاہر کرے اور بس۔

قندیل کمرے میں پرسوچ نظروں سے اپنا سیل فون دیکھ رہی تھی۔ جس پر ایک انجان نمبر سے آنے والا پیغام چمک رہا تھا۔

یہ لڑکا اس کے دوستوں میں شامل نہیں تھا۔ مگر اس کی ایک قریبی دوست نے بتایا تھا کہ وہ اس سے دوستی کا خواہش مند ہے اور بہت دن سے اس کا نمبر مانگ رہا ہے۔ قندیل نے اپنی دوست کی بات کو سرسری سا سن کر اپنا نمبر دے دینے کا کہہ دیا تھا۔ مگر اسے اندازہ نہیں تھا کہ

وہ اتنی جلدی اس تک پہنچ جائے گا۔

ابھی بھی وہ اس سے فون کرنے کی اجازت مانگ رہا تھا۔ اس وقت تو نہیں مگر رات گئے قندیل جب اس سے فون پر بات کر کے اٹھی۔ تو نہ صرف اس سے کافی حد تک فری ہو چکی تھی۔ بلکہ بالکل بے سوچے سمجھے اسے اپنے گھر آنے کی دعوت بھی دے بیٹھی تھی۔

وہ نغمانہ اور صندل پر یہ جتانا چاہتی تھی کہ جیسے صندل کسی غیر اور اجنبی لڑکے سے اس حد تک دوستی کر سکتی ہے کہ اسے گھر بلا لے۔ تو پھر میں کیوں نہیں۔

اس کے اندر کی ضدی اور بے باک لڑکی ایک دم ہی جاگ گئی تھی۔ شاید یہ سمیع اور صندل کی بالکل غیر متوقع طور پر ختم ہو جانے والی ناراضی تھی۔ جس نے اسے شدید دھچکا پہنچایا تھا۔ اور وہ جانتی تھی کہ اس ویک اینڈ پر سمیع ایک بار پھر پچھلی تمام باتیں بھلا کر صندل سے ملنے ضرور آئے گا۔

یوں بھی صندل کا فائنل سمسٹر شروع ہوا ہی چاہتا تھا اور اسے سمیع کی ہیلپ کی بہت ضرورت تھی۔

اس نے اپنے نئے دوست کو بھی ویک اینڈ پر گھر آنے کی دعوت دے ڈالی تھی۔

☼ ☼ ☼

صندل اور نغمانہ شاپنگ کرنے نکلی تھیں۔ وہ اس وقت گھر میں اکیلی تھی۔ جب کال بیل کی آواز پر اس نے دروازہ کھولا تو سمیع کو سامنے پایا۔

"اوہ آپ۔"

ایک لمحے کو وہ خود اور سمیع دونوں ہی گڑبڑا گئے۔ چند روز پہلے ہونے والی تلخ کلامی کے بعد یہ ان کا پہلا سامنا تھا۔ قندیل نے بنا سوچے سمجھے اسے اندر آنے کا راستہ دیا۔ وہ اندر آ تو گیا۔ لیکن لاؤنج تک آ کے بیٹھنے کے بجائے وہیں کھڑا رہا۔

"میرا خیال ہے۔ صندل ابھی تک پہنچی نہیں گھر پر؟" پورے فلیٹ پر چھایا سناٹا یہی کہہ رہا تھا۔

"ہاں بس آتی ہی ہوں گی۔ کافی دیر ہو گئی نکلے ہوئے۔" قندیل مسکرا کر بولی۔ سمیع "فوراً" ہی کھڑا

ہو گیا۔
"تو پھر میں چلتا ہوں۔ جب وہ آئے تو اس سے کہنا کہ مجھے کال کرلے۔"
"ارے نہیں۔ ایسے کیسے اتنی جلدی آپ پلیز بیٹھیں۔"
اس کے دماغ میں یکدم ہی کسی شیطانی سوچ نے سر اٹھایا اور وہ بالکل اچانک اس انداز میں اس کے سامنے آئی کہ وہ بے اختیار ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔
"میری آپی سے بات ہوئی ہے ابھی۔ وہ آنے والی ہیں۔ ایکچوئلی میں آپ سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔" اس نے دھیرے سے بولتے ہوئے سمیع کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔
دل نہ چاہتے ہوئے بھی مجبوراً اسے بیٹھنا پڑا۔ قندیل کچھ اس انداز میں اس کے سامنے کھڑی تھی کہ وہ آگے نہیں بڑھ سکتا تھا۔
"میں، میں آپ سے اس روز کے لیے معافی مانگنا چاہتی تھی۔ دراصل۔ دراصل سمیع۔ بات یہ ہے کہ۔" اس نے جان بوجھ کر خود کو تذبذب میں ظاہر کرنے کے لیے اپنی انگلیاں موڑیں جیسے اسے اپنی بات کہنے میں مشکل پیش آرہی ہو۔
"جلدی کہو۔ میں سن رہا ہوں۔" سمیع کی چھٹی حس اسے مسلسل خبردار کررہی تھی۔
"میں۔ مجھے اس دن آپ کا خود کو میرا بھائی کہنا بالکل اچھا نہیں لگا۔ میں نے کبھی آپ کو اپنے بھائی کی نظر سے نہیں دیکھا۔"
وہ جانتی تھی اس کی بات سمیع کے لیے کسی شاک سے کم نہیں ہوگی مگر آج موقع مل ہی گیا تھا تو وہ اسے ضائع نہیں کرنا چاہتی تھی۔ سمیع ہکا بکا سا اسے دیکھنے لگا۔ جبکہ وہ ایک خاص ادا سے مسکرائی۔
"دراصل آپی نے ہمیشہ آپ کی اتنی تعریفیں کیں میرے سامنے کہ میں آپ کے بارے میں اپنا زاویۂ نظر بدلنے پر مجبور ہوگئی۔ اور میں نے فیوچر کے حوالے سے آپ کے علاوہ اور کسی کے بارے میں نہیں سوچا۔"
"قندیل! میرا خیال ہے تم اپنے حواسوں میں نہیں ہو۔" سمیع کے چہرے کے تاثرات اس کی بات کے گواہ تھے۔
"کیوں۔ کسی کے لیے اپنے دل میں موجود پسندیدگی کے جذبات کا اظہار کرنا پاگل پن ہے۔"
"نہیں لیکن۔" اس نے خود کو سخت بے بس محسوس کیا۔
"قندیل! دیکھو۔ مجھے جانے دو۔ میں پھر آجاؤں گا۔"
اس کے خیال میں اس سے کوئی بھی بات کرنا فضول ہی تھا۔ وہ ایک دم اٹھ کر کھڑا ہوا اور اتنی ہی تیزی سے قندیل بھی۔
"چلے جائیے گا۔ میں آپ کو زبردستی نہیں روکوں گی مگر۔ میری بات کا جواب تو دیتے جائیے۔" وہ ایک بار پھر اس کی راہ میں رکاوٹ کی طرح کھڑی تھی۔
"قندیل! جیسا تم چاہتی ہو ویسا نہیں ہوسکتا۔" ایک گہری سانس لے کر اس نے جیسے قصہ ختم کرنا چاہا۔
"کیوں۔ کیوں نہیں ہوسکتا؟" پل بھر کا وقفہ تھا اور اس کا انداز ہی بدل گیا۔ وہ بے حد گہرے انداز میں بولتی اس کے بے حد قریب آگئی۔ اور دایاں ہاتھ اس کے شانے پر ٹکادیا۔
"کیا صندل مجھ سے زیادہ خوبصورت ہے۔" سمیع نے اپنے پسینے چھوٹتے محسوس کیے۔
"یا پھر۔ کچھ ایسا ہے اس کے پاس جو میرے پاس نہیں۔" وہ براہ راست اس کی آنکھوں میں جھانک رہی تھی۔
سمیع نے تھوک نگل کر خشک گلے کو تر کرنے کی کوشش کی۔ اور اس کے چہرے سے نگاہیں ہٹا کر دائیں بائیں گھمائیں۔
"قندیل! تم واقعی ہوش میں نہیں ہو۔ میں بعد میں تم سے۔"
اس کی بات آدھی ادھوری لبوں پر رہ گئی۔ قندیل نے اگلی حرکت ایسی ہی کی تھی۔ سمیع نے اپنے آپ کو

ان دیکھے شکنجے میں جکڑا ہوا محسوس کیا۔ قندیل نے مردانہ اسٹائل کی شارٹ بازو کی شرٹ اور ٹائٹ جینز پہن رکھی تھی۔ اور پھر اس نے ایسی حرکت کی کہ جس کی توقع کسی بھی شریف گھرانے کی لڑکی سے نہیں کی جاسکتی تھی۔
وہ مسکراتے لبوں اور چیلنج کرنے والی نگاہوں سے یوں سمیع کی طرف دیکھ رہی تھی۔ جیسے اس کی حالت سے حظ اٹھا رہی ہو۔
سمیع نے تھوک نگل کر اس کی آنکھوں میں جھانکا اور اگلے ہی پل اس نے اپنے کندھے پر رکھا ہاتھ جھٹک دیا۔ قندیل کو اس حرکت سے معمولی سا جھٹکا لگا۔ لیکن اس نے ہٹنے کے بجائے سمیع کے دونوں ہاتھ تھام کر اسے آگے بڑھنے سے روکنا چاہا۔
"اب بھاگ کہاں رہے ہو۔ سامنا کرو اور میری بات کا جواب دو۔"
اس نے بنا کچھ کہے مزاحمت کی اور جب قندیل نے سامنے سے ہٹنے کے بجائے مزید ڈھٹائی دکھائی۔ تو ایک زوردار تھپڑ اس کے گال پر رسید کردیا۔ وہ الٹ کر دائیں جانب رکھی کانچ کی آرائشی ٹیبل پر جاگری۔
سمیع فوراً سے پیشتر باہر نکل جانا چاہتا تھا۔ لیکن اس کا تھپڑ اتنا زوردار تھا۔ کہ چند لمحوں کے لیے قندیل کا دماغ سن سا ہوگیا۔ وہ چند لمحے ٹیبل کے پاس زمین پر گری رہی۔ اور سمیع اس کی حالت کو سمجھتے ہوئے اس کے نزدیک گیا۔ اسے اٹھا کر سیدھا کیا تو دیکھا کہ اس کے ہونٹ کا کنارا پھٹ چکا تھا۔ اور سرخ خون کی باریک سی بوند وہاں نمودار ہورہی تھی۔
اس کا دل پسیج گیا۔ جانے کیوں اور کس کے کہنے میں آکر وہ یہ سب کر بیٹھی تھی۔ حاصل وصول تو کچھ نہ ہوا تھا اس خود کو اس کی نظروں میں گرا ہی تھا۔
سمیع کے خیال میں اس کے تھپڑ نے قندیل کو سبق سکھلا دیا تھا۔ مگر اس کا خیال غلط تھا۔ حواس بحال ہوتے ہی قندیل بری طرح اس پر جھپٹی۔ سمیع نے خود کو چھڑا کر پیچھے ہٹنا چاہا۔ مگر وہ اسے بری طرح کھسوٹ رہی تھی۔ اپنے لمبے ناخنوں سے اس کا چہرہ نوچ ڈالا تھا۔ جب ہی دل میں آئے ہوئے اس پر ترس اور رحم کے خیال پر لعنت بھیجتے ہوئے سمیع نے اسے ایک اور تھپڑ رسید کیا۔
اور یہ تھپڑ پہلے والے سے کہیں زیادہ زوردار اور طاقت سے بھرپور تھا۔
وہ جس جگہ گری تھی وہاں، جگہ کم ہونے کی وجہ سے اور ٹھیک سے پوری طرح کھڑے نہ ہوسکنے کے باعث اس بار اس کا سر شیشے کی میز کے کونے سے ٹکرایا اور ٹھیک ٹھاک خون کا فوارہ ابل پڑا۔
اس پر نیم بے ہوشی سی طاری ہوگئی۔ اور لبوں سے بے اختیار چیخ سی نکل گئی۔ لیکن سمیع کا اس بار اس سے ہمدردی کا کوئی ارادہ نہ تھا۔ بلکہ دل میں اٹھتے غصے کو دباتے دباتے بھی اس نے آگے بڑھ کر اس کے جبڑے کو اپنے دائیں ہاتھ میں جکڑ لیا۔
"اس میں اور تم میں کردار کا فرق ہے۔ اور یہ فرق زمین آسمان جتنا ہے۔ سمجھیں؟" قندیل کی حالت دو تھپڑوں اور لگنے والی چوٹ نے غیر کردی تھی۔ اس نے جان بوجھ کر دوبارہ جھٹکے سے اسے پیچھے کی طرف دھکیل دیا۔
قندیل بے دم سی ہوکر وہیں کارپٹ پر گر گئی۔ اور سمیع پلٹ کر چہرے سے پسینہ صاف کرتا باہر نکل گیا۔
فلیٹ کی پانچویں منزل سے دھیرے دھیرے سیڑھیاں اترتے ہوئے کوئی منظر بار بار ذہن میں تازہ ہورہا تھا۔ اور اسے پیروں میں شدید لرزش محسوس ہورہی تھی۔
اب بھی۔

☆ ☆ ☆

اس نے بے حد کوفت بھری نگاہ سامنے قطار در قطار پھنس کر کھڑی گاڑیوں پر، اور پھر کلائی پر بندھی گھڑی پر ڈالی۔
پچھلے پندرہ منٹ سے ٹریفک بدترین جام تھا۔ اور اگلے پندرہ منٹ بھی اس کے رواں ہونے کے کوئی چانسز نہ تھے۔

شدید ترین بیزاری سے اس نے ایک تھکی ماندی سانس فضا کے سپرد کی پھر نغمانہ پر ایک نظر ڈال کر سر پیچھے سیٹ پر ٹکا دیا۔ ٹیکسی ڈرائیور بھی اس ساری صورت حال سے شدید بیزار نظر آ رہا تھا۔

"پتا نہیں کتنی دیر لگے گی۔"

اس نے ذرا دیر پہلے ہی سمیع سے فون پر بات کر کے اسے بتایا تھا کہ وہ شاپنگ مکمل کر چکی ہے اور گھر جا رہی ہے۔ وہ اگر چاہے تو ذرا دیر بعد گھر آسکتا ہے' وہ بھی آدھے گھنٹے میں پہنچ جائے گی۔ اور اب یہ آدھا گھنٹہ اسے راستے میں ہی ہو چکا تھا۔

"پتا نہیں۔ سمیع کہاں ہے۔ کہیں گھر نہ چلا گیا ہو۔" دفعتاً" ایک خیال نے اسے چونکا دیا۔

"کہیں گھر پر اسے اکیلا دیکھ کر کینڈی اس کے ساتھ پھر کوئی بدتمیزی۔" تھکن کے احساس کے تحت موندی گئی آنکھیں جھٹ سے کھل گئیں۔ تیزی سے سیدھی ہوتے ہوئے اس نے اپنے بیگ سے سیل فون نکالا۔ اور سمیع کو کال ملائی۔ اور ذرا دیر کے بعد تعجب سے اپنے فون کو دیکھا۔ سمیع کا موبائل آف تھا۔

"حیرت ہے۔ ابھی تو بات ہوئی ہے۔ اب کیا ہو گیا ہے کئی بار کی مسلسل کوشش کے بعد بھی فون آف ہی رہا۔ نغمانہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

"کینڈی کو فون کرتی ہوں۔ دل عجیب سا ہو رہا ہے۔" اس نے ان کے پوچھے بغیر ہی وضاحت دی اور قندیل کو فون ملایا۔

ایک بار' دوسری بار پھر تیسری بار۔

بیل جاتی رہی مگر' کسی نے ریسیو نہیں کیا۔ اس نے جھنجلا کر لائن کاٹ کر سیل بیگ میں پھینکا۔

"کیا ہوا۔"

"ریسیو ہی نہیں کر رہی۔ پتا نہیں کیا بات ہے۔" اسے تشویش بھی تھی اور غصہ بھی۔

"ہو سکتا ہے واش روم میں ہو۔ یا سیل تکیے کے نیچے ہو۔ آواز نہ آ رہی ہو۔" وہ چند لمحے پُرسوچ انداز میں نغمانہ کو دیکھتی رہی۔

"ہوں۔" پھر نظریں سامنے جمالیں۔

ٹیکسی کی ونڈ اسکرین کے اس پار گاڑیاں چیونٹی کی رفتار سے سرک رہی تھیں۔ اسے ایک بار پھر شدید کوفت کے احساس نے گھیر لیا۔

☆ ☆ ☆

اس کی آنکھیں سختی سے بند تھیں۔ اور سر اور چہرے سمیت پورے جسم پر ٹھنڈے پانی کی تیز دھاریں پڑ رہی تھیں۔

اسے یاد نہیں تھا وہ کس طرح گھر پہنچا۔ کتنی اسپیڈ سے گاڑی بھگائی۔ اور کہاں کہاں خطرناک قسم کے ایکسیڈنٹ سے بچا۔ راہ چلتوں نے اور دوسری گاڑی چلانے والوں نے اس کی رَیش ڈرائیو کے سبب اسے کن القابات سے نوازا اور کون سے الفاظ میں یاد کیا۔

ٹھنڈے پانی کی تیز بوچھاڑ جسم کو تراوٹ اور تازگی دینے کے بجائے نوکیلے نشتروں کی مانند اس کا جسم چھید رہی تھی۔ وجود میں جلتے بھانبھڑوں کو سرد کرنے کے بجائے اور بھڑکا رہی تھی۔

قندیل کے اوپر ہاتھ اٹھا لینے کے باوجود' اس کے اندر کی چبھن کم نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے کسی سکتے نے مستقل اس کا احاطہ کر لیا تھا۔

"کیا ہے اس کے پاس ایسا۔ جو میرے پاس نہیں۔" سماعتوں پر کسی کی آواز کے کوڑے مسلسل برس رہے تھے۔ کوئی جلتی سلاخ جیسا منظر بار بار آنکھوں کو داغتا تھا۔

اس نے شاور کی طرف چہرہ اٹھا کر پانی کی ٹھنڈی دھار کو دیر تک آنکھوں پر برسنے دیا لیکن۔ بے سود۔

کافی دیر بعد' وہ فل اسپیڈ سے کھلے شاور کے نیچے اکڑوں بیٹھا زور زور سے رو رہا تھا۔

نہ کوئی اس کی آواز سننے والا تھا۔ نہ کوئی اس کے احساس کو سمجھنے والا۔ وہ بس مستقل روتا چلا جا رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

خدا خدا کر کے گاڑیوں کا راستہ کھلا تو اپنے فلیٹ کی

بلڈنگ تک آتے آتے اس نے جانے کتنی بار ٹیکسی ڈرائیور کو تیز ڈرائیو کرنے کا کہہ ڈالا۔

کیسی بے چینی اس کی رگ وپے میں بھری تھی۔ کہ وہ نہ تو نغمانہ کو کوئی وضاحت دے پا رہی تھی۔ جو بار بار حیرت سے اس کی بے کلی دیکھ رہی تھیں۔ اور نہ خود کو۔ دل کو ایسی گھبراہٹ لاحق تھی۔ جیسے بس کچھ ہونے والا ہے۔

اور یہ ہونے والا کیا تھا۔

بے خبری اگر نعمت ہے تو بے خبری زندگی بھر کا پچھتاوا بھی بن جاتی ہے۔ ایک کاش کی مہر یادداشت کے خانے میں لگا کر اپنے ان مٹ نقوش چھوڑ جاتی ہے۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ شاپرز ہاتھوں میں سمیٹ کر ٹیکسی سے اترے گی تو اوپر بہت ہی اوپر اونچائی پر فلیٹ کی بلڈنگ کی پانچویں منزل پر کیسا ہولناک منظر اس کا منتظر ہو گا۔

"آپی۔ی۔ی۔"

کسی نے بہت بلندی سے اسے آواز دی تھی۔ دل خراش چیخ اور ہولاتا ہوا منظر اس نے اور نغمانہ نے بری طرح ہڑبڑا کر اپنے فلیٹ کی بالکونی کو دیکھا۔ جس کی خستہ حالی کے باعث بہت سے دیکھنے والوں نے اسے خطرناک قرار دے کر ان سے فلیٹ بدل لینے کا کہا تھا۔ اور وہ' ہر بار ہی بالکونی کی مرمت کے خیال میں رہ جاتی تھی۔

"آپی۔ی۔ی۔ آپی۔ی۔ی۔"

اس وقت اسی بالکونی کے ٹوٹے ہوئے کنارے سے قندیل کا وجود آدھا باہر کی سمت یوں لٹکا ہوا تھا۔ جیسے آن واحد میں نیچے آ جائے گا۔

صندل کے ہاتھ میں تھمے شاپرز چھوٹ گئے۔ اس کی آنکھیں پھٹ گئیں۔

"قندیل! قندیل۔"

وہ اور نغمانہ چلاتیں اس کی طرف دوڑیں۔ راستے میں ایک پتلی ذیلی سڑک پر چلتا معمولی ٹریفک بے ہنگم شور پیدا کر کے رکا۔

وہ زمین پر ادھر ادھر دیکھے بغیر دیوانہ وار اس کی طرف دوڑیں۔ مگر۔

اس سے پہلے کہ وہ لوگ خود یا دیکھنے والا کوئی اور شخص صورت حال کو سمجھ کر کوئی احتیاطی تدبیر کر پاتا۔ قندیل کا وجود اس قدر بلندی سے ہوا کے دوش پر سفر کرکے دھپ کی آواز کے ساتھ زمین پر آ گرا۔

گرنے کے ساتھ ہی چار سو خاموشی چھا گئی۔

صندل اور نغمانہ نے اسے بلندی سے نیچے کی طرف آتے اور پھر زمین پر گر کر بے حس و حرکت ہوتے دیکھا۔ اور خود بھی اس سے چند قدم کے فاصلے پر منجمد ہو گئیں قندیل کے سر کے پاس خون کا تالاب بنتا جا رہا تھا۔ فضا میں شور مچاتی اور پکارتی اس کی آواز خاموش ہو چکی تھی۔

دیکھتے ہی دیکھتے چاروں طرف مردوں اور عورتوں کا ہجوم اکٹھا ہونے لگا۔

تب ہی کسی کا کندھا ٹکر کھانے سے اس کے ساکت وجود میں جنبش ہوئی۔ اور وجود میں بجلی سی بھر گئی۔ وہ ایک جست میں لوگوں کو چیرتی قندیل تک پہنچی تھی۔

"قندیل! قندیل میری بہن۔"

پاگلوں کی طرح وحشت بھرے انداز میں اس کا سر اٹھا کر اپنی گود میں رکھتے ہوئے اس نے بری طرح اس کے چہرے کو اپنے ہاتھوں سے تھپتھپایا۔

چہرے پر نیل اور خون کے نشان۔ زخمی پیشانی اور سر کے پچھلے حصے سے نکلتے خون کے فواروں نے لمحوں میں اس کے دامن اور ہاتھوں کو بھگو ڈالا۔

"قند۔ قندیل۔ آنکھیں کھول۔ کس نے کیا یہ۔ یہ کس نے کیا۔" وہ بے کلی سے اسے جھنجوڑ رہی تھی۔

"بول نا۔ بول میری جان۔"

قندیل کی جڑی ہوئی پلکوں میں ذرا کی ذرا لرزش ہوئی۔

"آپی۔ اسمیع۔ سمیع۔"

اس کے لبوں سے نکلنے والا نام صندل اور نغمانہ کو

ساکت کرنے کے لیے کافی تھا۔

✿ ✿ ✿

"آپی۔۔۔ی۔۔۔ی"

کسی نے دور سے 'اونچائی سے' بہت بلندی سے اسے پکارا اور وہ بری طرح ہڑبڑا کر کسی ڈراؤنے خواب سے جاگی۔ پھر سامنے کھڑی اسے تشویش سے دیکھتی نعمانہ کو دیکھتی گہری سانس لے کر پھر پرسکون ہو گئی۔

"کیا بات ہے۔ صنی۔ تم اتنی جلدی واپس آگئیں۔ کوئی مسئلہ ہو گیا تھا کیا۔"

اس نے اپنی لو رنگ آنکھیں اٹھا کر انہیں دیکھا پھر نظریں جھکالیں۔ اس کے پاس جواب میں کہنے کے لیے کچھ نہ تھا۔

"کیا بات ہے مندل! بتاؤ مجھے اگر بہتر سمجھو۔"

انہیں آج بھی مندل سے کوئی بات پوچھنے کے لیے 'یا شیئر کرنے کے لیے معاملہ مندل کی مرضی پر چھوڑنا پڑتا تھا۔

"ماما!" اس کی پرسوچ نظریں بالکونی سے باہر نظر آتے منظر پر بھٹک رہی تھیں۔

"پانچویں منزل سے نیچے گرنے میں کتنی تکلیف ہوئی ہوگی۔" اس کے بہت ٹھنڈے لہجے نے نعمانہ کو بری طرح جھنجھوڑ دیا تھا۔

"بہت تکلیف ہوتی ہوگی نا۔ ہم محسوس نہیں کر سکتے۔ ہڈیاں ٹوٹنے کا درد۔ سر پھٹنے کا درد اور ریڑھ کی ہڈی۔ لیکن ہم اندازہ تو کر سکتے ہیں نا۔" اس کی بھید بھری سرگوشی نما آواز اتنی ہلکی تھی کہ نعمانہ کو بغور سننی پڑ رہی تھی انہوں نے اس کی آنکھوں سے آنسو نکل کر بہتے دیکھے۔

"مندل۔ بیٹا۔" انہوں نے دھیرے سے آگے بڑھ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"آج اتنے سالوں بعد تم یہ سب۔ کیوں کہہ رہی ہو۔"

"آج اتنے سالوں بعد قندیل کی یاد پھر سے آ رہی ہے ماما! آج اتنے سالوں بعد یوں لگ رہا ہے۔ قندیل ابھی ہم سے بچھڑی ہے۔"

"لیکن کیوں۔ تم تو اچھی بھلی نمیر کی بہن کی منگنی میں گئی تھیں نا۔ پھر اتنی جلدی کیوں آگئیں واپس۔ کیا بات ہوئی ہے وہاں۔"

انہیں یقین ہو چلا تھا کہ جو بھی غیر معمولی بات ہوئی ہے وہ نمیر کے یہاں ہوئی ہے۔ ایک تو وہ جانے کے تھوڑی دیر بعد ہی واپس آگئی تھی۔ یوں جیسے راستے سے یا وہاں پہنچتے ہی واپس پلٹ آئی ہے۔ اوپر سے اس کی طویل خاموشی اور اب یہ بات۔

اس نے گہری سانس بھر کر چہرے پر بہنے والے آنسو صاف کیے اور نعمانہ کی طرف دیکھا۔

"نمیر کی بہن منال کی منگنی جس شخص کے ساتھ ہو رہی ہے وہ 'کوئی اور نہیں ہے سمیع ہے۔ سمیع جبران۔" نعمانہ کا منہ کھل گیا۔ حیرت کی زیادتی سے ان سے آگے بات نہیں کی گئی۔

"جی۔" مندل نے جتاتی ہوئی نظروں سے ان کی طرف دیکھا۔

"اسی لیے میں وہاں سے فوراً" واپس آگئی اور اب۔ اب شاید میں نمیر سے بھی اپنا ہر تعلق ختم کرلوں۔"

وہ بات مکمل کر کے بیٹھی پھر رکی۔ پھر نعمانہ کو دیکھا۔

"بلکہ شاید کیوں یقیناً"۔ میں اپنی بہن کے قاتل سے قریب یا دور کا کوئی بھی تعلق بھلا کیسے رکھ سکتی ہوں۔"

نعمانہ کی اب بھی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ وہ اس سے کیا کہیں۔ بات یقیناً" جتنی غیر متوقع تھی۔ اتنی ہی افسوس ناک بھی۔

وہ سمجھتی تھیں اگر سمیع 'نمیر کے گھر میں مندل کو نہ ملا ہوتا تو "یقیناً" وہ آج نمیر کے پرپوزل کا مثبت جواب دے کر ہی آتی۔ مگر اب۔

وہ اس سے واقعی ہر تعلق ختم کرلے گی۔ وہ جانتی تھیں اچھی طرح۔

✿ ✿ ✿

وہ رات تین نفوس کے لیے بہت بھاری تھی۔ سمیع کے لیے۔ نمیر کے لیے اور۔ مندل کے لیے تو تھی ہی۔

اسے رہ رہ کر وہ وقت یاد آ رہا تھا۔ جب کئی دن سمیع کا موبائل آف رہنے کے بعد کھلا تو قندیل کی تدفین کے بعد کے مراحل بھی نمٹ چکے تھے۔

اس کی خاموشی اور منظر سے مکمل طور پر غیر حاضری۔ زبان خود اس کے جرم کی گواہ تھی۔ بے یقینی سے یقین تک کا سفر کرنے میں اس کی روح تک میں آبلے امنڈ آئے تھے۔ وہ شاید کبھی یقین کرتی بھی نا۔ اگر چند دن پہلے ہی سمیع نے مندل کے ساتھ وہ حرکت نہ کی ہوتی۔ جس سے وہ خوف زدہ ہو کر اس کے فلیٹ سے نکل بھاگی تھی۔

"تو کیا قندیل کو گھر میں اکیلا پا کر سمیع نے۔۔۔"

وہ جلتی آنکھوں اور سلگتے دل کے ساتھ خود سے سوال جواب کیے جاتی۔ سمیع کا نمبر چار دن بعد کھلا اور اس نے نعمانہ سے کہا کہ وہ مندل سے ملنے گھر آنا چاہتا ہے۔ نعمانہ کا کہنا تھا کہ اسے گھر بلانے کے بجائے سیدھے اس کے خلاف ایف آئی آر کٹوائی جائے۔ مگر وہ یہ بھی جانتی تھیں کہ اگر کیس کر بھی دیا تب بھی وہ سمیع کے خلاف یا تو کچھ ثابت ہی نہ کر پائیں۔ یا پھر فیصلہ ہوتے ہوتے اتنی دیر لگ جائے کہ ان کے پاس جمع شدہ معمولی رقم جو ان کی مستقل آمدنی کا ذریعہ تھی۔ وہ داؤ پر لگ جائے۔

مندل بھی اس کی شکل دیکھنے کی روادار نہ تھی۔ دل کے لاکھ تاویلیں گھڑنے کے باوجود وہ جیسے خود کو یقین دلانا چاہتی تھی کہ کہانی ہی سہی۔ مگر یقیناً" سمیع کی لغزش کا شکار ہوا تھا۔

اس کا اور مندل کا ساتھ 'دنوں' مہینوں کا نہیں سالوں کا تھا۔ اس نے کبھی سمیع کی شخصیت میں کوئی جھول یا اوچھا پن نہیں دیکھا تھا۔ اسے کوئی واقعہ کوئی دن یہاں تک کہ کوئی لمحہ بھی ایسا یاد نہ تھا جب سمیع نے اس کے یا صنف نازک کے حوالے سے کسی ہلکے پن کا مظاہرہ کیا ہو۔ سوائے اس ایک دن کے۔

جب وہ اس کے فلیٹ میں اکیلی اس سے ملنے گئی تھی۔

اس واقعے کو بنیاد بنا کر وہ کس طرح اسے اتنے بڑے حادثے کا ذمہ دار ٹھہرا دیتی۔ وہ مستقل ایک بار اس سے ملنے کی التجا کر رہا تھا۔ نعمانہ ہی اسے ڈیل کر رہی تھیں۔ ہر بار وہ اسے بے عزت کر کے فون بند کر دیتیں اور ذرا دیر بعد یا دوسرے ہی دن پھر اس کا فون آجاتا۔

"ابھی کچھ دیر پہلے سمیع کا فون آیا تھا۔ اسے کسی نے قندیل کی ڈیتھ کے بارے میں بتایا ہے۔ وہ پھر گھر آنے کا کہہ رہا تھا۔ میں نے اس کی کال بلاک کر دی ہے۔ بہتر ہوگا 'تم بھی کرو۔ اب۔ اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں۔"

نعمانہ ستے ہوئے چہرے اور بھاری آواز کے ساتھ اس سے مخاطب تھیں۔ وہ بھی کیا کرتیں۔

لوگوں کی باتیں قیاسے اور طرح طرح کے سوالات سن سن کر 'انہیں جوابات دے دے کر تنگ آچکی تھیں۔

وجہ کچھ بھی ہو۔ قندیل کے یوں فلیٹ کی بالکونی سے نیچے چھلانگ لگا کر جان دے دینے سے بدنامیوں اور رسوائیوں کے دہانے کھل گئے تھے۔ ہر ایک ملنے والا اپنے تئیں کھوجی بنا بیٹھا تھا۔

اگر اس کی موت کے وقت فلیٹ میں کسی انجان شخص یا سمیع کی ہی موجودگی ثابت ہو جاتی تو ہو سکتا تھا کہ ان ماں بیٹیوں کے قصے میڈیا تک جا پہنچتے۔

وہ خود کو 'سمیع کو کسی طرح کی رعایت دینے کے قابل نہیں سمجھتی تھیں۔ اور اگر مان بھی لیا جاتا کہ اس سب میں سمیع کا کوئی ہاتھ نہ تھا تب بھی وہ اس کی شکل تک دیکھنے کی روادار نہ تھیں۔

"آپ اس سے کہیں کہ وہ گھر آکر ایک بار مجھ سے

ملے۔" صندل کی سپاٹ آواز پر انہوں نے اسے یوں دیکھا جیسے اس کا دماغ چل گیا ہو۔

"کیا کہہ رہی ہو۔ تم ہوش میں تو ہو؟"

اس نے بنا کچھ کہے اثبات میں سر ہلا دیا۔ نغمانہ اب کی بار کچھ کہنے کے بجائے شاکی نظروں سے اسے دیکھتی فون ملانے لگیں۔

✡ ✡ ✡

"جو بات میں تمہیں بتانے جا رہا ہوں۔ پلیز اسے صبر اور حوصلے کے ساتھ سننا۔"

سوئم کے دوسرے دن وہ خود عجیب اجڑی ویران حالت میں صندل کے سامنے بیٹھا تھا اور صندل نفرت بھری نگاہوں سے اس کا چہرہ کھوج رہی تھی۔

"قندیل نے خودکشی کی کوشش کیوں کی مجھے نہیں پتا۔ میں یہاں صرف اپنی پوزیشن کلیئر کرنے آیا ہوں۔ اس نے جو کچھ بھی کیا' وہ اس کا اپنا عمل تھا۔ بہر حال اس میں میرا کوئی ہاتھ نہیں۔"

وہ آگے اور بھی کچھ کہہ رہا تھا۔

غصے اور طیش کے عالم میں صندل کی مٹھیاں بھنچ گئیں۔

وہ اس کی معصوم' بہن پر جو اس کی کسی غلط حرکت کے باعث اپنی جان سے جا چکی تھی۔ الزام لگا رہا تھا۔ بجائے اپنی غلطی تسلیم کرنے کے اس پر بے راہ روی کا الزام لگا رہا تھا۔

"میں نے ہمیشہ اسے اپنی بہن سمجھا اور کہا تھا صندل! تم جانتی ہو میں۔"

"ایک بات بتا سکتے ہو تم۔" اس نے اچانک ہی سمیع کی بات کاٹی۔

"میں نے تو تم سے کچھ بھی نہیں کہا نا۔ تم پر کوئی الزام' تہمت' بہتان نہیں لگایا نا۔ پھر تمہیں صفائی دینے کی ضرورت کیوں پیش آگئی۔"

اس کا ٹھنڈا لہجہ بھی اپنے اندر اتنی تپش لیے ہوئے تھا کہ سمیع کی ہتھیلیاں نم ہو گئیں۔

"تم مجھے اگر قصوروار نہیں سمجھتیں تو یہ تمہارا بڑا پن ہے۔ ورنہ آنٹی کی باتوں سے مجھے اندازہ ہو چکا ہے کہ تم اور وہ میرے بارے میں کیا سوچ رہی ہیں اور میں اپنے ضمیر کے آگے بھی تو۔"

"یہ تمہارے چہرے اور گردن پر نشان کیسے ہیں۔"

سمیع کی بات صندل کے آگے پھر ادھوری رہ گئی تھی اور اس بار اسے یوں لگا جیسے اس کے پاس کہنے کے لیے بھی کچھ باقی نہیں بچا۔

"صندل میں۔" اس نے اپنا گلا کھنکار کر صاف کیا۔

"میں تمہیں اس دن کی ایک ایک بات حرف بہ حرف بتاؤں گا تم۔ تم یقین کرنے والی بنو تو سہی۔"

اس کے الفاظ حلق میں اٹکنے لگے۔ صندل کی چبھتی طنزیہ نگاہیں اس کے چہرے پر جمی تھیں۔

اس نے جرم کیا نہیں تھا۔ مگر وہ خود کو مجرم سا سمجھنے لگا تھا۔

"اپنی گندی زبان سے میرا نام مت لو اور ابھی اور اسی وقت یہاں سے دفع ہو جاؤ۔ اس سے پہلے کہ میں فون کروں اور پولیس کو بلاؤں۔"

سمیع اس کی طرف دیکھتا رہ گیا۔

یہ وہ لڑکی تھی' جس نے کبھی دو منٹ سے زیادہ اس کی آنکھوں میں جھانک کر نہ دیکھا تھا اور آج وہی لڑکی اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اسے دھمکی دے رہی تھی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ۔

اس نے اس لڑکی سے محبت کی تھی۔ اپنے دل کی گہرائیوں سے۔ اور اپنے جذبوں کی تمام تر سچائیوں اور پاکیزگی کے ساتھ۔

جن آنکھوں میں اس نے اپنے لیے ہمیشہ محبت دیکھی تھی۔ احسان مندی' شکر گزاری' الفت اور حیا دیکھی تھی۔ آج ان آنکھوں میں کیا کچھ نہ تھا۔

نفرت' بے زاری اور بے اعتباری۔

اور یہ دیکھنا سمیع کی برداشت کے لیے بہت بڑا امتحان تھا۔ وہ بنا کچھ بولے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کا سر

جھک گیا تھا۔ وہ صندل کا دل صاف کرنے میں ناکام ہو گیا تھا۔ وہ اپنے آپ کو بری نہیں کر پایا تھا۔ وہ اسے قصوروار اور گناہ گار سمجھتی تھی۔ یہ بات سہنا اس کے لیے آسان نہ تھا۔

"اور جاتے جاتے ایک بات اور سنتے جاؤ۔ میں زندگی میں آئندہ کبھی تمہاری صورت دیکھنا چاہتی ہوں نہ آواز سننا چاہتی ہوں۔ بہتر ہو گا تم آئندہ بھی میرے سامنے آنے کی غلطی مت کرنا۔"

اس نے دہلیز پر رک کر پلٹے بنا صندل کی آواز سنی اور باہر نکل گیا۔ چند دن پہلے یہ سیڑھیاں اترتے ہوئے اس کے قدموں میں کپکپاہٹ تھی اور آج۔ آج لگتا تھا اس کے وجود سے جان نکل چکی ہے۔

وہ ایک چلتا پھرتا روبوٹ بن چکا تھا۔

صندل اپنے کمرے میں بند ہو کر پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ بلک رہی تھی۔ اس کے سینے سے قندیل کی تصویر لگی تھی اور آنسوؤں میں گزشتہ دنوں سے جڑی ہر شے بہہ رہی تھی۔

سمیع اور اس کا اعتبار' محبت' بھروسا

قندیل اور اس کی زندگی سے جڑا آخری خونی اور سگا رشتہ بھی۔

✡ ✡ ✡

وہ جانتی تھی' یہ انکشاف کہ نعمو کی بہن صندل کے منگیتر سمیع اور اس کا اپنا آپس میں ماضی میں کوئی تعلق رہ چکا ہے اتنا معمولی نہ تھا۔

نعمو یقیناً" اس کی طرف سے مسلسل خاموشی سے تھک ہار کر سمیع سے ہی اس کی وجہ پوچھے گا۔ تمہارا اور صندل کا کیا رشتہ ہے یا ماضی میں بھی تھا؟

اور ایسا کیا کچھ وقوع پذیر ہو چکا ہے تم دونوں کے درمیان کہ وہ ایک پل کے لیے بھی تمہارے سامنے نہ ٹھہر سکی۔

اور کیا سمیع اسے سب کچھ سچ سچ بتا دے گا۔ کیا اس میں اتنی ہمت ہو گی کہ اپنی ہونے والی بیوی اور اسے دیوانوں کی طرح چاہنے والے بھائی کے سامنے اعتراف جرم کر سکے۔ اسے اپنا اور میرا تعلق اور بعد میں اس تعلق کے ختم ہو جانے کی وجہ بتا سکے۔

اسے یہ بتا سکے کہ وہ کسی بے گناہ کا قاتل ہے۔ اس کی دست درازی' وقتی ہی سہی لیکن اس کی ہوس کسی معصوم کی جان لینے کا سبب بن گئی۔

سوچیں اور ان گنت سوچیں آتش فشاں سے ابلتے لاوے کی طرح اس کے اعصاب کو جھلسا رہی تھیں۔ ٹوٹے پھوٹے جملوں اور بے ربط سی لکھائی میں اس نے استعفیٰ لکھا اور باہر نغمانہ کے پاس آگئی۔

"میرے لیے یہ جاب چھوڑ دینا ہی بہتر ہے۔ میں نعمو کا سامنا نہیں کرنا چاہتی۔ میرے پاس اس کا پروپوزل ریجیکٹ کرنے کے لیے جو وجہ ہے۔ اسے سن کر اسے شدید شاک پہنچے گا کیونکہ' وہ سمیع کے ماضی سے واقف نہیں۔ وہ بالکل میری طرح اس کی شخصیت سے متاثر ہے اور اسے آئیڈیلائز کرتا ہے اور میں نہیں چاہتی کہ جس طرح میری نظروں میں سمیع کی پرسنالٹی کا بت ٹوٹ کر بکھرا تھا اور اس سے مجھے جس قدر دھچکا پہنچا تھا ویسا ہی نعمو کو لگے۔"

"میرا تو خیال تھا کہ تمہیں نعمو کو سب بتا دینا چاہیے۔"

"کیا فائدہ ہو گا۔ وہ اپنی بہن کے لیے بہت پوزیسو ہے اور بہت خوش بھی کہ اس کی بہن کو جیون ساتھی مل گیا ہے۔"

"لیکن اس کی اصلیت سے تو تمہی واقف ہو نا۔ کیا یہ نعمو کے لیے بہتر نہیں ہو گا کہ تم اسے سمیع کے بارے میں بتا دو۔"

"پتا نہیں کیا بہتر ہے اور کیا نہیں۔ میں بہت بری طرح تھک چکی ہوں ٹوٹ چکی ہوں۔ سب کچھ ہر چیز الٹ پلٹ ہو گئی ہے۔ کیا کیا نہیں سوچ لیا تھا میں نے اپنے اور نعمو کے حوالے سے اور کیا ہو گیا یہ سب۔"

اس نے ہارے ہوئے انداز میں سر دونوں ہاتھوں میں گرا لیا۔ نغمانہ تاسف سے اسے دیکھنے لگیں۔

✡ ✡ ✡

لاؤنج سے نغمانہ کے بولنے کی آواز آرہی تھی۔ وہ بہت زور زور سے روتے ہوئے بات کررہی تھیں۔ اس نے گہری نیند سے جاگ کر اندازہ لگانے کی کوشش کی کہ کون آسکتا ہے اس وقت رات کے ڈھائی بج رہے تھے۔

اس نے ذہن پر زور ڈالا تو یاد آیا کہ نو بجے رات میں نغمانہ نے اس کی مسلسل بگڑتی ہوئی اعصابی کیفیت کے پیش نظر اسے زبردستی سلیپنگ پلز دے کر سلایا تھا اور سونے سے پہلے اس نے ارادہ کیا تھا کہ وہ کل ہی اپنا استعفیٰ ڈاک کے ذریعے آفس بھجوا دے گی۔

ابھی تو ایک ہی دن گزرا تھا۔ ممکن تھا کہ نمیر اسے آفس میں دیکھ کر اس سے بات کرنے کی کوشش کرتا اور وہ کسی صورت اس کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔

قندیل کی یاد اور اس کی اندوہناک موت کی اعصاب شکن تکلیف سالوں بعد پھر سے اس کے ذہن پر سوار ہونے لگی تھی۔ پتا نہیں وہ کتنی دیر وہاں بیٹھی کھوئی رہتی، مگر نغمانہ کی آواز نے اسے پھر سے چونکا دیا۔

اس بار اس نے کوئی مردانہ آواز بھی سنی۔ اور یہ آواز کسی اجنبی کی نہیں تھی۔

اس نے بے اختیار اٹھ کر باہر کی طرف دوڑ لگائی اور لاؤنج میں پہنچ کر ساکت ہو گئی۔

وہ۔ وہ سامنے ہی بیٹھا تھا۔

نغمانہ اس کے برابر میں اس کے کندھے پر سر رکھے رو رہی تھیں۔ وہ خوش بھی تھیں اور رو بھی رہی تھیں۔ بلاشبہ ان کی کیفیت ' بالکل صندل جیسی تھی جس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اپنے جذبات کا اظہار کیسے کرے۔ بلکہ وہ تو شاید اپنے ردعمل کو ٹھیک سے پہچان بھی نہیں پارہی تھی۔

اسے خوش ہونا چاہیے؟ یا اسے غصہ کرنا چاہیے۔ یا پھر۔

نغمانہ کی ہی طرح دوڑ کر سالوں بعد وطن واپس لوٹنے والے اپنے بھائی سے لپٹ جانا چاہیے۔

✡ ✡ ✡

فاخر کی آمد مایوس اور دکھی زندگیوں میں خوشیوں بھری ہلچل لانے کا سبب بنی۔ وہ پہلے سے بہت بدل گیا تھا۔ وہ بہت فرض شناس ہو کر واپس لوٹا تھا اور بہت پیسے والا بھی۔

چند ہی دنوں میں اس نے اپنے اخلاق اور رویے سے نغمانہ اور صندل پر یہ بات واضح کر دی تھی کہ وہ محض ان لوگوں کا خیال کر کے ہی بیرون ملک سے واپس آیا ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کے ساتھ کسی گوری میم کا دم چھلا نہیں تھا۔

قندیل کی حادثاتی موت کے بارے میں اسے نغمانہ نے ہی سرسری اور محتاط انداز میں بتا دیا تھا۔ بعد میں اپنا گھر تبدیل کر لینے کے بارے میں بھی۔ اس نے موجودہ گھر کا ایڈریس بھی بہت مشکلوں سے حاصل کیا تھا۔

صندل اس کی شخصیت میں آجانے والی تبدیلیوں کی معترف ہونے کے باوجود اتنی جلدی اس پر بھروسا کرنے کو تیار نہ تھی۔ اور یہ بات اس نے اکیلے میں نغمانہ پر واضح بھی کر دی تھی۔ نغمانہ کو حسب توقع حسب معمول دکھ تو ہوا تھا۔ مگر وہ اس کی کیفیات سمجھ رہی تھیں۔

ایسی ہی موسم سرما کی ایک خنک شام جب فاخر نغمانہ کو لے کر شاپنگ کروانے نکلا تھا اور اس نے ہمیشہ کی طرح انکار کر دیا تھا۔ اس نے نمیر کو اپنے فلیٹ کے دروازے پر کھڑا دیکھا۔

وہ جانتی تو تھی کہ یہ وقت آئے گا ضرور۔ مگر اس وقت اس کے ذہن میں نہیں آیا کہ وہ کیا کرے۔ جب ہی کچھ متذبذب سی ایک طرف ہو گئی۔

نمیر بھی چپ چپ سا تھا۔ اس کے انداز سے پتا چل رہا تھا کہ اس کی "سچ سے یقیناً" کوئی نہ کوئی بات ہوئی ہے اور وہ بات کیا ہے۔ وہ کوئی بھی اندازہ لگانے سے قاصر تھی۔

"تم جانتی ہو۔ میں یہاں کیوں آیا ہوں۔" وہ لاؤنج میں بیٹھتے ہی بنا تمہید باندھے پوچھنے لگا۔

"شاید۔ جانتی ہوں۔ شاید نہیں۔" اس کا جواب اس کی ذہنی کیفیت کا عکاس تھا۔ چند لمحے

خاموشی طاری رہی۔

"نہیں۔ تم نہیں جانتیں۔ بلکہ شاید تم کچھ بھی نہیں جانتیں۔ کچھ بھی نہیں۔" صندل نے گہری سانس لے کر اس کا چہرہ دیکھا۔

"ہو سکتا ہے تمہارا خیال غلط ہو۔"

"نہیں۔ میرا خیال سو فیصد درست ہے۔ کیونکہ میں یہاں ایسے ہی منہ اٹھا کر نہیں آگیا ہوں میں۔" وہ چند لمحے رک سا گیا۔ پورے گھر میں گہری خاموشی ہانپنے لگی۔ "میں سچ سے مل کر اس سے بات کر کے یہاں آیا ہوں۔"

"نمیر پلیز! میں اس شخص کا نام سننا چاہتی ہوں۔ نہ اس کے بارے میں بات کرنا چاہتی ہوں۔ نہ ہی مجھے اس بات سے غرض ہے کہ اس نے تمہیں اپنے اور میرے بارے میں کیا بتایا ہے۔"

"میں تمہیں اس کے بارے میں بتانے نہیں آیا۔ نہ میں تم سے اس کے بارے میں بات کرنے آیا ہوں۔"

"تو پھر۔ میں تم سے شادی نہیں کر سکتی۔ اگر تم اپنے پرپوزل کا جواب لینے آئے ہو تو یہ بھی میں پہلے ہی کلیئر کر دوں۔" وہ پھر سے چپ ہو کر اسے دیکھنے لگا۔ صندل کو الجھن ہوئی۔

"مجھے پتا تھا "آفٹر آل تمہارا جواب یہی ہو گا اور ہونا بھی چاہیے' لیکن میری بات سننے کے بعد۔ میں یہاں تمہیں اپنے بارے میں کچھ بتانے آیا ہوں۔ اپنے اور قندیل کے بارے میں۔" اسے معلوم تھا وہ جتنے دھیرج سے اپنا اور قندیل کا نام لے گا۔ صندل اتنے ہی زور سے چونک جائے گی۔ اور ہوا بھی یہی۔

"قندیل کے بارے میں۔ تم کیا جانتے ہو' اس کے بارے میں؟"

"وہ سب کچھ جو تم نہیں جانتیں۔" صندل منہ کھولے اسے دیکھ رہی تھی۔

"تمہارا مجرم سچ نہیں۔ میں ہوں صندل۔ میں۔ نمیر سلطان۔"

✡ ✡ ✡

اس نے قندیل کا نمبر اپنی اور اس کی مشترکہ دوست سے لیا تھا۔

اس کی کس بات نے نمیر کو متاثر کیا وہ ٹھیک سے جان تک نہ تھا۔ شاید اس کی معصوم شکل و صورت یا اس کے بے باک انداز نے۔

وہ اس کے فرینڈز میں شامل نہیں تھی۔ نہ ہی یونیورسٹی میں اس کے ساتھ تھی۔ اس کی اور نمیر کی ملاقات بہت کم چند ایک بار اپنی مشترکہ دوستوں کے گھر پارٹیز اور گیٹ ٹو گیدرز میں ہی ہوئی تھی۔ پھر متعدد بار اس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانے کے باوجود اس نے کوئی خاص توجہ نہیں دی تھی۔

اول تو منال کی وجہ سے وہ شاذ و نادر ہی کبھی دوستوں کی گیدرنگ میں جاتا تھا اور اتنا کم جانے کی وجہ سے وہ قندیل سے اور بھی کم مل پایا تھا۔ بہر الحال قندیل کے گریز نے اس کے دل میں قندیل کے لیے پسندیدگی کے جذبات کو کچھ اور بڑھا دیا اور کچھ اس کے بارے میں جمع کی گئی معلومات نے۔

وہ ایک نچلے متوسط طبقے سے تعلق رکھنے والے گھرانے سے رکھتی تھی۔ لڑکوں سے دوستی تھی مگر اس کے حلقہ احباب میں نوے فیصد لڑکیاں شامل تھیں اور سب سے بڑھ کر اس کا لباس۔

اس کی دوستیں اسے ڈریسنگ کے معاملے میں دقیانوسی اور بڈھی روح کہہ کر پکارتی تھیں۔ کیوں کہ وہ نہ تو سلیولیس پہنتی تھی۔ نہ اتنے شارٹ ٹاپس کہ اٹھتے بیٹھتے اس کی کمر دکھائی دے۔

جب ہی ایک دن اچانک اس کے فون کرنے پر اس نے اسے ویک اینڈ پر گھر آنے کی دعوت دی تو وہ خوشی بھری حیرت کا شکار ہو گیا۔

وجہ چاہے جو بھی ہو مگر اس نے سوچ لیا تھا کہ جب وہ اس کے گھر تک جا ہی رہا ہے تو اپنے اور اس کے درمیان دوستی کو اس نہج پر لے جانے کی پوری کوشش کرے گا کہ جلد از جلد نہ صرف اسے پرپوز کر سکے بلکہ قندیل اس کے پرپوزل کو ایکسیپٹ کرنے میں کوئی ردو کد نہ کرے۔

وہ زندگی میں پہلی بار واقعی کسی لڑکی کے لیے اتنا سنجیدہ ہو کر سوچ رہا تھا اور اسے علم نہ تھا کہ قدرت اس کے ساتھ کیسا سنگین مذاق کرنے والی ہے۔

☆ ☆ ☆

فلیٹ کا مین ڈور کھلا ہوا تھا۔ پھر بھی اس نے ازراہ اخلاق دوبار بیل دی۔ کال بیل کی آواز گھر کے باہر تک سنائی دی، لیکن گھر کے اندر کسی ذی نفس کی موجودگی کا پتا نہیں چل رہا تھا۔

اس نے تھوڑی دیر انتظار کے بعد 'نا' بھی سے دائیں بائیں دیکھا۔ یہ اس بلڈنگ کا پانچواں فلور تھا اور سیڑھیاں چڑھنے کے بعد آمنے سامنے دو فلیٹوں کے دروازے تھے۔ سامنے والے فلیٹ میں تالا لگا ہوا تھا جس سے پتا چلتا تھا کہ سامنے والے مکین گھر پر نہیں تھے اور اس فلیٹ کا دروازہ کھلا تھا مگر کسی گھر والے کے آثار ندارد تھے۔

اس نے قندیل کو آواز دی۔ ایک بار۔۔۔ دوبار۔۔۔

رفتہ رفتہ اس کی الجھن تشویش میں بدل گئی۔ اول تو قندیل اکیلی فلیٹ پر رہتی نہ تھی اور اگر تھی بھی تو اس وقت کہاں تھی۔ اس نے اللہ کا نام لے کر اندر قدم رکھ دیا۔

اندر داخل ہوتے ہی جو کمرہ تھا 'وہ یقیناً' ٹی وی لاؤنج تھا جیسا کہ عموماً "فلیٹس میں ہوتا ہے۔ ایک سرسری طائرانہ نگاہ میں ہی اس نے لاؤنج سے کھلی ہوا دار بالکونی کے دروازے کے پاس زمین پر قندیل کو گرے ہوئے دیکھا۔

وہ قندیل سے اتنا بھی قریب نہ تھا کہ لمحے بھر کی دیر کے بغیر اسے جاکر سیدھا کرتا۔ اس کی خبر لیتا۔ بلکہ اس کے برعکس وہ کچھ جھجک سا گیا۔ پتا نہیں وہ وہاں گر گئی تھی یا لیٹی تھی مگر اس کا اندازہ تھا کہ اتنی تنگ جگہ کو کوئی یونہی لیٹنے کے لیے استعمال نہیں کرسکتا۔

اس نے ایک نظر سامنے نظر آتے کمروں کے کھلے دروازوں پر ڈالی۔ صاف ظاہر تھا کہ گھر میں اس وقت قندیل کے سوا کوئی نہ تھا۔

اس نے پلٹ کر پہلے بیرونی دروازے کو بند کیا پھر اس کے نزدیک آکر اسے سیدھا کیا تو پتا چلا کہ وہ تو بری طرح زخمی تھی۔ اس کا ماتھا قریبی کانچ کی میز سے ٹکرا کر زخمی ہوا تھا۔ شاید خون زیادہ بہہ جانے سے وہ غشی کی حالت میں چلی گئی تھی۔

مگر کچھ اور بھی تھا جو اسے چونکا گیا تھا۔

اور وہ تھا قندیل کا حلیہ۔

یوں لگتا تھا۔ جیسے کسی نے اس کے ساتھ زیادتی کرنے کی کوشش میں ناکام ہو کر اسے دھکا دیا اور خود وہاں سے فرار ہو گیا یا پھر۔

اس نے کچن سے جاکر پانی گلاس میں بھرا اور اس کے چہرے پر چھینٹے مارے۔

باوجود کوشش اور شدید خواہش کے اس کے اندر اتنی ہمت نہ ہو سکی کہ وہ اس کی بے خبری کے عالم میں ہی ہاتھ بڑھا کر اس کے گریبان کے کھلے بٹن بند کر دیتا۔

پانی کے چھینٹے منہ پر پڑنے سے قندیل کی پلکوں میں لرزش سی ہوئی۔ پھر اس کی آنکھیں کھل گئیں۔ اور آنکھیں کھلتے ہی جس شخص کو اس نے خود پر جھکے دیکھا۔ اسے دیکھ کر اس کے واپس پلٹتے حواس جیسے اس کا ساتھ چھوڑ گئے۔

وہ بے انتہا خوف زدہ انداز میں اٹھنے کی کوشش کرتی ذرا سی پیچھے کھسکی۔

"کون ہو تم۔ اندر کیسے آئے؟" سوال بہت غیر متوقع تھا۔

اس صورت حال سے کہیں زیادہ۔ وہ بھونچکا ہی تو رہ گیا۔ اسے بھلا کب اندازہ تھا کہ وہ اسے بلاکر پہچاننے سے انکار کردے گی۔

"میں۔۔۔ میں تیمور ہوں۔" گھبراہٹ میں اس کے لبوں سے فقط یہی نکل سکا۔

"کون تیمور۔ میں کسی تیمور کو نہیں جانتی۔ تم۔ تم اندر کیسے آئے؟ اوہ۔ اور۔" اب کی بار اس نے بے چینی سے ادھر ادھر نظریں گھمائیں۔

"سمیع کہاں گیا۔ میں نے تو اسے بلایا تھا۔ تم کون

ہو اور کیوں آئے ہو یہاں۔" اس نے یک دم کھڑا ہونے کی کوشش کی مگر سر پہ لگی چوٹ نے اسے چکرا دیا اور وہ ایک بار پھر گرتے گرتے بچی۔

اس صورت حال نے صرف اسے ہی نہیں تیمور کو بھی ڈرا دیا۔ گھر کا دروازہ اس نے خود بند کیا تھا اور قندیل کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ ایسے میں اگر وہ شور مچا کر کسی کو بلالیتی تو شاید وہ زندگی بھر کسی کو منہ دکھانے کے لائق نہ رہتا۔

لمحہ بھر کو اپنا سر تھام کر ٹھہرنے کے بعد وہ ایک بار پھر اٹھی اور تیزی سے باہر والے دروازے کی طرف بڑھی۔ تیمور نے چشم زدن میں صورت حال کو بھانپا اور ایک جست میں جاکر اسے پکڑلیا۔

"میری بات سنو قندیل۔ ریلیکس میں تمہیں کوئی نقصان پہنچانے۔۔۔"

وہ اسے پرسکون کرنا چاہتا تھا۔ اسے یاد دلانا چاہتا تھا کہ وہ یہاں 'کسی بری نیت سے' کسی برے ارادے سے نہیں بلکہ خود اس کے بلانے پر ہی آیا ہے۔ مگر وہ کچھ سنتی تب نا۔

وہ مچھلی کی طرح تڑپ کر اس کی گرفت سے نکلی۔

"قندیل پلیز' میری بات سنو۔ ایسا مت کرو۔" وہ حتی الامکان اپنی آواز دبا کر رکھنا چاہتا تھا۔

قندیل اس کی گرفت سے نکل کر بالکونی کی طرف بھاگی۔ شاید وہ وہاں سے کسی کو آواز دینا چاہتی تھی مگر تیمور نہیں چاہتا تھا کہ اس کی موجودگی میں اس فلیٹ کی چار دیواری سے باہر جائے۔ وہ خود بھی آوازیں دیتا اس کی طرف بڑھا۔

"قندیل۔۔۔ قندیل۔۔۔ نہیں پلیز۔"

اسے 'اس کو روکنے کا موقع نہیں ملا۔ وہ پاگلوں کی طرح بالکونی کی چھوٹی سی دیوار سے آدھے سے زیادہ باہر جھک کر چلائی۔

"آپی۔۔۔ پی۔۔۔"

اسی وقت ٹوٹی ہوئی بالکونی میں ایک دوسرے کے سہارے رکھے ہوئے بلاکس ہٹ گئے اور وہ ہو گیا۔ جس کا اس نے گمان بھی نہیں کیا تھا۔

"آپی۔۔۔ پی۔۔۔"

پکارتی ہوئی آواز بازگشت بن کر اس سے دور ہوتی چلی گئی۔ خاموشی چھا گئی۔

"یہ۔۔۔ یہ کیا ہو گیا۔"

گمان و سوچ کی حدود سے کوسوں پرے جاکر ایک حادثہ اتنی اچانک رونما ہوا کہ اس کے اپنے حواس ساتھ چھوڑنے لگے۔

اپنی عزت بچانے کی دھن میں وہ کسی کی جان لے بیٹھا تھا۔

اب یہاں سے بھاگ کر اپنی جان بچانے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ اس نے بجلی کی سی تیزی سے دروازہ کھولا اور دھڑ دھڑ سیڑھیاں اتر کر جائے حادثہ سے دور ہوتا چلا گیا۔

☆ ☆ ☆

"تمہارا مجرم سمیع نہیں میں ہوں۔"

اس کا سر جھکا ہوا تھا۔ وہ صندل کی ان بے یقین اور بے اعتبار نظروں کا سامنا کرنے کی ہمت خود میں نہیں پاتا تھا۔ جن میں اس وقت صرف آنسو تھے یا پھر دکھ۔

"میں یہاں تم سے کسی رحم کی بھیک مانگنے نہیں آیا۔ نہ ہی یہ کہنے کہ تم مجھے معاف کردو۔ اس وقت تمہارے دل میں میرے لیے غصے اور نفرت کے جو جذبات پیدا ہو رہے ہوں گے۔ ان کے سامنے ایک معافی تو کیا۔ تلافی اور مداوے کا ہر لفظ بہت معمولی اور چھوٹا ہے۔ میں تو یہاں۔۔۔ صرف اپنے ضمیر کا بوجھ ہلکا کرنے آیا ہوں۔ اور اپنے لیے نہیں سمیع کے لیے معافی مانگنے آیا ہوں۔ اسے معاف کردو۔ اسے دل سے معاف کردو صندل! اسی نے مجھے سب کچھ بتایا ہے اور یہ بھی کہ تم اسے اپنا اور قندیل کا مجرم سمجھتی ہو۔ میں۔۔۔ میں سمیع کی طرف سے تم سے معافی مانگتا ہوں۔"

اس نے جھکی نظروں سے صندل کے آگے ہاتھ جوڑ دیے۔ "اگر قندیل نے خود اپنے منہ سے یہ الفاظ نہ کہے ہوتے کہ اس نے خود سمیع کو بلایا تھا تو شاید کوئی

سمیع کی بات پر یقین نہ کرتا۔" مندل کا بے حس و حرکت وجود یوں ساکت تھا کہ اس میں سانس کا زیر و بم بھی گم ہو گیا تھا۔

اس کی آنکھوں کی سطح نم ہو گئی۔

مندل اب بھی خاموش اور جامد تھی۔

در حقیقت الفاظ ختم ہو چکے تھے۔ بلکہ مندل کو یوں لگ رہا تھا جیسے اس کی زندگی' اس کا دل سب کچھ ختم ہو چکا ہے۔ وہ خالی ہو گئی تھی۔ اندر تک بالکل خالی۔ اور آتی جاتی سانسیں یوں تھیں۔ جیسے خالی ٹن میں نوکیلے پتھر ہوں۔

☼ ☼ ☼

دن پر دن ایک دوسرے کے پیچھے رینگتے ہوئے سرک رہے تھے۔ آفس کے رولز اور ریگولیشن کے مطابق اسے استعفیٰ دینے کے ایک ماہ بعد جاب چھوڑنی تھی اور آفس میں ہونے والا ہر روز کا نمیر سے سامنا کسی آزمائش سے کم نہ تھا۔

وہ اس کے سامنے ضرور آ آتا تھا' لیکن صرف کام کے وقت' اس کے علاوہ اس نے ان دنوں میں کبھی مندل سے اپنے اور اس کے تعلق یا ماضی کے بارے میں' یا کسی بھی اور چیز کے متعلق کوئی بات چیت نہیں کی۔

نمیر کا دن بھر میں کئی بار سامنا اس کے دل کو' اعصاب کو' روح کو جس شکست و ریخت سے دوچار کرتا تھا۔ یہ صرف وہ خود ہی جانتی تھی۔

نمیر کا اعتراف جرم اس کے لیے ایک بڑا ذہنی دھچکا تھا۔ سمیع اس کے لیے کیا حیثیت رکھتا تھا' یہ شاید نمیر نہ جان سکتا تھا۔ اس نے سمیع کو بری الذمہ قرار دے کر مندل کو خود اس کی نظروں میں گرا دیا تھا۔

نمیر کا دل اسے دیکھ دیکھ کر شرمندگی کے پاتال میں اترتا جاتا' لیکن اس کی ہمت نہ پڑتی تھی کہ وہ اس سے اپنی صفائی یا اس کی دل جوئی کے لیے ہی کچھ کہہ سکے۔ اپنی جگہ وہ خود بھی ایک خوف کے حصار میں تھا۔

ہو سکتا تھا اس ذہنی کیفیت سے نکل کر مندل پھر سمیع کی طرف پلٹ جاتی اور سمیع منال کو چھوڑ کر۔

یہی وہ نکتہ تھا جہاں آکر نمیر ہر طرح سے پسپائی اختیار کر کے اسے اس کے حال پر چھوڑ دینے پر مجبور تھا۔

"ہو سکتا ہے یہ جاب چھوڑ کر کہیں اور جوائن کرے تو اس کا دل بہل جائے۔ اور وہ سنبھل جائے۔"

خود کو تسلی دینے کے لیے اس کے پاس فی الحال صرف یہی الفاظ تھے۔

دوسری طرف مندل تھی۔ مرے پر سو درے کے مصداق۔ اس کا یہ عارضی' ظاہری سکون بھی اس وقت چھن گیا جب ایک دن اچانک فاخر وہی فلائی کر گیا اور نغمانہ اس کے سامنے آ بیٹھیں۔

"مجھے اس کا فیصلہ بالکل ٹھیک لگا' آج کل جو حالات جا رہے ہیں۔ پاکستان میں نہ کسی کی عزت محفوظ ہے نہ جان و مال۔ ایسے میں سالہا سال سے جمے جمائے کاروبار لے کر بیٹھے ہوئے لوگ باہر جانے کی سوچ رہے ہیں۔ یہاں سرمایہ کاری کرنا بے وقوفی ہوگی۔" انہوں نے لمحہ بھر کے لیے رک کر اس کا سپاٹ چہرہ دیکھا۔

"اور پھر وہاں اس کے کچھ عرب دوست ہیں جو اس کے ساتھ پارٹنر شپ کے لیے بھی تیار ہیں۔ اس نے کہا ہے کہ وہ وہاں جاتے ہی مجھے بلا لے گا۔ میں نے سوچا کہ۔"

"آپ نے سوچا کہ آپ فوراً" اپنے بیٹے کے پاس چلی جائیں گی۔ ہمیشہ کی طرح خود غرضی کا اعلا ترین ثبوت دیتے ہوئے۔"

اس کے لب حرکت میں آئے اور اس نے سالوں بعد زہر اگلا۔ نغمانہ کی بات ادھوری رہ گئی۔ وہ حیرت زدہ سی ہو کر اسے تکنے لگیں۔

"تو کیا میرا فیصلہ غلط ہے؟" بہت وقت کے بعد ان کی آواز نکلی۔

"نہیں۔ آپ نے بالکل ٹھیک فیصلہ کیا۔ ایک چوتھائی آپ کو یہ فیصلہ کرنے کا اختیار بہت دیر میں ملا۔ اگر فاخر چند سال پہلے آجاتا تو آپ تب بھی یہی

فیصلہ کرتیں۔ اصل میں تو فاخر نے واپس آنے میں اتنے سال لگا دیے کہ آپ کو اس جہنم میں اپنی ناپسندیدہ ہستیوں کے ساتھ رہنا پڑا لیکن۔۔۔ دیر آید درست آید۔ آپ جائیں شوق سے۔ مجھے نہ کل کسی سہارے کی ضرورت تھی نہ آج ہے۔" وہ اپنی بات مکمل کر کے کھلے دریچے میں جا کھڑی ہوئی۔

"نہیں چاہتی تھی کہ نغمانہ اس کی پلکوں پر جمع ہوئی نمی دیکھیں۔ اسے حقیقتاً" نغمانہ کی بات نے دکھ پہنچایا تھا۔

"تم نے میری بات پوری نہیں سنی مندل! اور ہمیشہ کی طرح میرے بارے میں منفی قیاس آرائیاں کر کے فیصلہ کر لیا۔" مندل نے جواب نہیں دیا۔

"میں نے فاخر کے پاس جانے کا سوچا ضرور تھا' لیکن اکیلے نہیں' تمہیں ساتھ لے کر۔ اپنی بیٹی بنا کر نہیں بلکہ اپنی بہو' فاخر کی دلہن بنا کر۔"

مندل کی سماعتوں پر کسی نے بم دے مارا۔

☼ ☼ ☼

آج آفس میں اس کا آخری دن تھا۔

اس کی دائمی غیر حاضری کے سبب پچھلے کچھ دنوں میں اس کے خلاف اتنی کمپلینز جمع ہو چکی تھیں کہ اگر وہ استعفیٰ نہ دے چکی ہوتی تو ویسے بھی آفس میں اس کے آخری دن نزدیک ہی ہوتے۔

آدھے سر کا درد مستقل مکین بن چکا تھا۔ جیسے تیسے کر کے اس نے وہ تین کام نمٹائے۔ اس کی طبیعت کی ابتری اس کی شکل سے ہی نمایاں تھی۔ جو آفس اسٹاف کے دو چار ممبر سلام دعا کی حد تک اس کے قریب تھے۔ وہ بھی سمٹ کر چپ چاپ بیٹھے تھے۔

وہ بمشکل اپنا دھیان کھینچ کر کسی اور جانب لگاتی اور اگلے ہی لمحے نغمانہ کی باتیں اس کی دماغی رو کو ہزار وولٹ کے جھٹکے لگانے لگتیں۔

نمیر نے صبح سے دوپہر اور دوپہر سے شام تک اسے کئی بار اس کیفیت میں دیکھا اور ہر بار اپنے دل کو دکھ کی نئی کیفیت سے نئے سرے سے گزرتا محسوس کیا۔

آفس ٹائم ختم ہونے سے کچھ دیر پہلے اس کے کیبن کے سامنے سے گزرتے ہوئے اس نے یوں ہی اچٹتی نظر اس کے چہرے پر ڈالی تھی۔ وہاں وہی چڑچڑی کیفیت رقم تھی۔ دل کے ہاتھوں بے حد مجبور ہو کر وہ نہ چاہتے ہوئے بھی ایک نمبر پر کال کر بیٹھا اور جب ساری صورت حال گوش گزار کر کے اس نے چپراسی کے ذریعے مندل کو کچھ دیر چھٹی کے بعد آفس میں ٹھہرنے کا پیغام بھجوایا تو وہ اپنی سیٹ سے اٹھ کر جا چکی تھی۔

☼ ☼ ☼

"کیا ماما اتنا عرصہ میرے ساتھ رہنے کی سزا دینا چاہتی ہیں مجھے۔" اس کے دل اور دماغ اپنی بدگمانیوں کی انتہا پر تھے۔

"جب ہی تو وہ فاخر کے ساتھ مجھے منسلک کرنے کا سوچ رہی ہیں۔ جانتی جو ہیں کہ میں نے زندگی میں کبھی اس شخص کو پسند نہیں کیا۔ میں نے تو بھائی ہونے کے باوجود اسے کبھی اپنا بھائی نہ مانا نہ سمجھا۔ تو پھر اب کیسے۔ میں ایک نیا بندھن۔ ایک نیا رشتہ۔ کیا اوندھی سوچ ہے۔ جس شخص کی مطلب پرستی نے میرے باپ کی جان لی۔ میں اس کے ساتھ۔ اف نہیں!"

اس کا دماغ کلی طور پر ماؤف تھا۔ نگاہوں کے سامنے ترمرے سے ناچ رہے تھے اور دل میں اٹھتے طیش کے بگولوں نے سامنے کا رستہ دھندلا دیا تھا۔

جب ہی وہ سامنے سے آتی فل اسپیڈ کار دیکھ نہ سکی اور تیز قدموں سے چلتی اس کے سامنے آگئی۔ گاڑی کے ٹائر چرچرائے مگر وقت پر بریک نہ لگ سکا اور ایک زوردار دھکے نے اسے کئی فٹ فضا میں اوپر کی طرف اچھال کر بے رحمی سے کسی نوکیلے پتھر پر پٹخ دیا۔

☼ ☼ ☼

شہر کے مہنگے اور مصروف ترین اسپتالوں میں سے ایک میں وہ پچھلے تین دن سے زیر علاج تھی۔ پچھلے

تین دن سے اس کے لبوں پر لگے خاموشی کے قفل نہیں کھلے تھے اور پچھلے تین ہی دن سے اس کی آنکھیں بھیگی تھیں۔ وہ تین دن سے مسلسل سمیع کو اپنی عیادت کے لیے آتا ہوا دیکھ رہی تھی۔

ہاں۔ سمیع جبران۔ جو اس کی زندگی کا حاصل، اس کے خوابوں کی تعبیر اور تمناؤں کا مرکز تھا جسے اس نے کئی سال ہر دعا میں مانگا تھا۔ وہی سمیع جبران۔ اب بن مانگے کسی کو مل چکا تھا۔ کسی اور کو خوشی کے ساتھ اپنی زندگی میں شامل کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

اس کے لیے اس دل و دماغ کو اذیت سے چیر کر رکھ دینے والی حقیقت کو قبول کرنا اس حادثے سے کہیں بڑھ کر تھا۔ جس کی یاد دہانی سر کے پچھلے حصے میں اٹھنے والی ٹیس رہ رہ کر کرواتی رہتی تھی۔

بظاہر دکھائی دے جانے والے جسم کے زخم تو دھیرے دھیرے مندمل ہو ہی رہے تھے مگر وہ اپنی روح میں پڑ جانے والی دراڑیں کسے دکھاتی اور مداوا کرنے والا بھی کون تھا۔ نعمانہ پر بھی سمیع کی حقیقت واضح ہو چکی تھی۔ اور یہ بھی کہ وہ ثمو کی بہن کا منگیتر اور عن قریب ہونے والا شوہر ہے۔

حیرت انگیز طور پر وہ بالکل خاموش تھیں۔ شاید صندل کی باتوں اور بدگمانی نے ان کے دل کو جو ٹھیس پہنچائی تھی، اس کے بعد سے وہ خاموش رہ کر اپنے آپ کو اس کی زندگی کے ہر معاملے سے مکمل طور پر لاتعلق ظاہر کرنا چاہتی تھیں۔

دروازہ ہلکی سی چرچراہٹ سے کھلا تو اس نے سامنے والی دیوار سے نظریں ہٹا کر اسے اندر آتے دیکھا۔

اس کے چہرے پر تفکر کی تھکن تھی۔ اور بڑھی ہوئی شیو اس کی خود سے لاپروائی اور صندل کی طرف سے پروا کا ثبوت تھی۔

صندل کے دل میں پھر احساس زیاں زور پکڑنے لگا۔ اس کا وجود چٹخنے لگا۔

"کیا ضروری تھا کہ سب ٹھیک ہو جانے کے بعد میری زندگی میں یہ خلا باقی رہ جاتا۔" اس کے دل میں بے اختیار ایک شکایت نے سر اٹھایا۔

"نعمانہ آنٹی نے مجھے بتایا ہے کہ وہ اپنے بیٹے کے پاس دبئی جانا چاہتی ہیں تمہیں ساتھ لے کر۔ لیکن تم نے جانے سے منع کر دیا۔ کیوں؟"

آج پہلی بار اس نے صندل سے اس کی صحت سے ہٹ کر کوئی بات کی تھی۔ صندل نے ایک خاموش شکایتی نگاہ اس پر ڈالی۔

"آئی ایم سوری! اگر وہ مجھ سے نہ کہتیں تو میں تم سے بات نہیں کرتا۔ آخر کل پچھلے بہت سارے فیصلوں کی طرح یہ بھی تمہاری زندگی کا اور تمہارا ذاتی فیصلہ ہے اور۔ شاید احمقانہ بھی۔"

"میرا فیصلہ بالکل احمقانہ نہیں۔ انہوں نے مجھے ساتھ لے جانے کی جو شرط رکھی ہے وہ میرے لیے قطعی ناقابل قبول ہے۔" وہ ہر بات بھلا کر تڑپ کر بول اٹھی۔

"کیسی شرط۔" صندل نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا۔ پھر رخ پھیر لیا۔

"وہ فاخر سے میری شادی کرنا چاہتی ہیں۔"

اسے معلوم تھا سمیع چپ کا چپ رہ جائے گا۔ اور ہوا بھی یہی۔

لیکن کچھ دیر بعد جب وہ بولا تو اس کے لہجے میں ایسی لمبی مسافت کی تھکن تھی۔ جس کا انجام ایک لاحاصل کے سوا اور کچھ نہ ہو۔

"تو اس میں حرج ہی کیا ہے۔" صندل حیرت اور دکھ سے اسے دیکھتی رہ گئی۔

"یہ تم کہہ رہے ہو سمیع! تم! تم جانتے ہو اس میں کیا حرج ہے۔" اس کی آواز رندھ گئی۔

"ہاں۔ تم یہ کہہ سکتے ہو۔ بالکل ٹھیک کہا تم نے تم ہی کہہ سکتے تھے یہ بات۔ کیونکہ۔" اس نے جیسے معاملہ سمجھ کر گہری سانس لی۔

"میری جگہ کسی اور کو دے دینا۔ مجھے چھوڑ کر کسی اور سے رشتہ بنا لینا تمہارے لیے بہت آسان ہے۔ مگر میرے لیے نہیں۔" اس کی آنکھوں میں آنسو بھر گئے۔

"تم بھول رہی ہو صندل۔ میں نے تمہیں نہیں چھوڑا۔ مجھے چھوڑنے کا فیصلہ تم نے کیا تھا۔ میری بات پر اعتبار نہ کر کے۔ مجھے میری ہی نظروں میں گرا کر۔" اس کا لہجہ شدید زخمی تھا۔

"تم بھول کیوں نہیں جاتے۔ وہ سب ایک غلط فہمی کی وجہ سے ہوا۔" وہ شدید عاجزی سے اسے دیکھ کر بولی۔ سمیع چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔

"میں نہیں بھول سکتا۔ بہتر ہو گا تم بھی سب کچھ یاد رکھو۔ ہر بات۔ ہر موقع۔ اپنا ہر فیصلہ اور اس سے جڑا ہر نتیجہ۔ جس کے آخر میں خسارہ صرف اور صرف تمہارے اپنے حصے میں آیا۔" صندل نے منہ کھولنا چاہا۔ لیکن سمیع نے ہاتھ اٹھا کر اسے ٹوک دیا۔

"تمہیں میری بات پوری سن لینی چاہیے۔ اور اچھی طرح سمجھ بھی لینی چاہیے۔ مجھے رد کرنے کا فیصلہ تمہارا اپنا تھا۔ نعمانہ آنٹی کو زندگی بھر معاف نہ کرنے اور فاخر کے کیے کو بھی نہ بھولنے کا عہد تم نے خود میرے سامنے کتنی بار دہرایا۔ ثمو ہزار چاہنے کے باوجود تمہارے دروازے سے نامراد لوٹا اور اب ایک بار پھر فاخر کو ٹھکرا کر تم نے تنہا رہنے کا جو فیصلہ کیا ہے وہ بھی تمہارا اپنا ہے۔ سراسر ذاتی۔"

صندل کی زبان تالو سے چپک گئی۔ یہ وہ سمیع نہیں تھا جو اس کی ہر بات پر آنکھیں بند کر کے سر تسلیم خم کر دیتا تھا۔ یہ تو کوئی اور ہی۔ بلکہ شاید وہ کوئی آئینہ تھا۔ جس میں اسے اپنا عکس بہت مسخ شدہ نظر آ رہا تھا۔

"لوگوں کو معاف کرنا سیکھو صندل! ورنہ تم زندگی بھر تنہا رہ جاؤ گی۔ بھول جاؤ جو کچھ تمہارے بچپن سے لڑکپن تک نعمانہ آنٹی نے تمہارے ساتھ کیا۔ بھول جاؤ جو فاخر نے کیا۔ اور بھلا دو وہ تلخ ترین حادثہ جس نے تمہارے دل و دماغ کو جکڑ رکھا ہے۔ معاف کر دو ثمو کو۔ باوجود اس کے کہ وہ گناہ گار نہیں ہے۔ اس نے قندیل کا برا چاہا نہ اس کے ساتھ برا کیا۔ نہ میں نے قندیل کا برا چاہا تھا نہ اس کے ساتھ کچھ بھی کیا تھا۔ مگر تم نے۔"

وہ بولتے بولتے جیسے تھک سا گیا۔

صندل کا سر جھکا ہوا تھا۔ اور اس کی پلکوں سے نمکین موتی ٹوٹ کر گود میں رکھے اس کے زرد ہاتھوں پر گر رہے تھے۔

"زندگی جمود کا نہیں آگے بڑھنے کا نام ہے۔ مر جانے والوں کو یادوں میں زندہ رکھا جاتا ہے۔ یہی زندگی کا اصول ہے۔ ان کے ساتھ نہ تو خود مرا جاتا ہے۔ نہ زندہ بچ جانے والوں کو اس طرح پل پل موت کی اذیت سے دوچار کیا جاتا ہے۔ جس طرح تم نے ثمو کو کیا۔"

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے
بہنوں کے لیے خوبصورت ناول

کتاب کا نام	مصنفہ	قیمت
بساط دل	آمنہ ریاض	500/-
زرد موسم	راحت جبیں	750/-
زندگی اک روشنی	رخسانہ نگار عدنان	500/-
خوشبو کا کوئی گھر نہیں	رخسانہ نگار عدنان	200/-
شہر دل کے دروازے	شازیہ چوہدری	500/-
تیرے نام کی شہرت	شازیہ چوہدری	250/-
دل ایک شہر جنوں	آسیہ مرزا	450/-
آئینوں کا شہر	فائزہ افتخار	500/-
بھول بھلیاں تیری گلیاں	فائزہ افتخار	600/-
پھلاں دے رنگ کالے	فائزہ افتخار	250/-
یہ گلیاں یہ چوبارے	فائزہ افتخار	300/-
میں سے عورت	فوزیہ عزیز	200/-
دل اسے ڈھونڈ لایا	آسیہ رزاقی	350/-
[illegible] خواب	آسیہ رزاقی	200/-

ناول منگوانے کے لیے فی کتاب ڈاک خرچ -/30 روپے
منگوانے کا پتہ:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37، اردو بازار، کراچی۔
فون نمبر: 32216361

وہ تاسف اور ترحم سے اس نازک سی لڑکی کو دیکھتا رہا۔ جس نے زندگی میں پے در پے جھٹکے اور ٹھوکریں کھائی تھیں۔ مگر اب بھی شکل پکڑنے کو تیار نہ تھی۔

"میں تمہاری طرف نہیں پلٹ سکتا۔ چاہ کر بھی نہیں۔ اس لیے نہیں کہ میرے دل میں تمہارے لیے کوئی میل یا بدگمانی ہے۔ نہیں۔ شاید تمہاری جگہ کوئی اور لڑکی بھی ہوتی تو یہی کرتی جو اس وقت تم نے کیا تھا۔ وجہ صرف اتنی ہے کہ میں جس لڑکی سے وعدہ کر چکا ہوں۔ اب اسے توڑ نہیں سکتا۔ وہ بھی معصوم ہے۔ اسے کس بات کی سزا ملے۔ اور تم اب جو تم کر رہی ہو وہ سراسر غلط ہے۔ تم نے ثمعو کو کیوں مایوس کیا صندل؟ اس کا کیا قصور تھا۔ صرف یہی کہ تم مجھ سے بدگمان تھیں اور میں اس کا دوست لگا۔

اس کی شرافت یہ تھی کہ وہ اپنی اور میری بے گناہی ثابت کرنے تمہارے پاس گیا تم پر بھروسا کر کے۔ اپنی محبت کا مان لے کر۔ اور تم نے اسے بھی نغمانہ آنٹی، میری اور فاخر کی طرح کٹہرے میں کھڑا کر کے فرد جرم عائد کر دی۔ کیوں صندل۔ اور کب تک خود کی طرف بڑھنے والے ہاتھ یوں جھٹکتی رہو گی تم۔"

سمیع کے لہجے پر کمزوری غالب آ گئی اور صندل دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

اس نے زندگی کو اپنے طرز عمل کو اس رخ سے کب دیکھا تھا۔ نغمانہ کمرے میں داخل ہوئیں تو بے طرح گھبرا گئیں۔

"کیا ہوا۔ اسے کیا ہوا۔ صندل بیٹا۔"

اس نے جلدی سے اپنا چہرہ صاف کیا۔

"پلیز مجھے ایک گلاس پانی پلا دیں۔ بول بول کر میرا گلا خشک ہو گیا۔"

سمیع چند لمحے پیشتر کے برعکس شگفتگی سے بول رہا تھا۔

صندل میں ہمت نہیں تھی کہ اس سے نظریں ملا سکتی۔

☼ ☼ ☼

ہفتہ بھر بعد اسے ڈسچارج کیا گیا۔

اس نے اپنے سوجے ہوئے پپوٹوں کو دھیرے سے مسل کر آنکھیں کھولیں۔ نغمانہ گنگناتے ہوئے اس کا سامان سمیٹ رہی تھیں۔ ان کے لبوں پر ان کی آواز جیسی ہی مسکان تھی۔ دھیمی لیکن اندرونی خوشی کا پتہ دیتی ہوئی۔

اور یہ اندرونی خوشی اس کی اپنی ذات سے جڑی تھی۔ اس کے ایک فیصلے نے بہت سارے لوگوں کو یہ خوشی دی تھی۔ سچی، خالص اور پر خلوص۔

نغمانہ، سمیع، منال، فاخر اور سب سے بڑھ کر ثمعو۔

موبائل پر بیپ ہو رہی تھی۔ اس نے سوچ سے نکل کر اسکرین دیکھا۔

"کیا حال ہیں مادام۔ بندۂ ناچیز آپ کو پک کرنے آرہا ہے۔ چھٹی میں کتنی دیر ہے۔" اس کے لبوں کو بھی نغمانہ کی طرح دھیمے سے ایک نرم مسکان نے چھو لیا۔

اس نے جوابی پیغام لکھ کر بھیجا۔ اور ذرا ہی دیر کے بعد کمرے میں داخل ہوتے ثمعو کو دیکھ کر مسکرا دی۔

وہ اکیلا نہیں تھا۔ اس کے ساتھ منال بھی تھی۔ تھوڑی شرمائی ہوئی سی۔ نغمانہ اس سے بہت محبت سے ملیں۔ اور وہ خود بھی دیر تک صندل کا ہاتھ اپنے مومی ہاتھوں میں دبا کر سہلاتی رہی۔

وہ واقعی بہت خوب صورت تھی۔ معصوم، پاکیزہ اور بالکل گڑیا سی۔

"بھلا کس کا دل چاہے گا کہ بنا کسی وجہ کے تم جیسی مومی گڑیا کے جذبات سے کھیلے۔" اس کے دل نے سمیع کو باعزت بری کرنے میں ہمیشہ کی طرح جلدی کی اور اپنی نظریں ثمعو پر ٹکا دیں۔ اس کے صرف لب نہیں پورا وجود مسکرانے لگا۔ اور ذہن میں تکرار سی ہونے لگی۔

دل کو راہ راست پر لانے میں کچھ وقت لگے گا
پاگل ہے اس کو سمجھانے میں کچھ وقت لگے گا